اہلِ سنت کون؟

حافظ ابو یحییٰ نور پوری

الامام الحافظ قوّام السنّہ ابوالقاسم اسماعیل بن محمد الاصبہانی رحمہ اللہ (م ۵۳۵ھ) لکھتے ہیں:

''بعض علمائے کرام کا کہنا ہے کہ بنیادی باتیں سات ہیں، جن کی وجہ سے فرقے گمراہی کا شکار ہوئے ہیں:

① ذاتِ باری تعالیٰ کے بارے مؤقف ② صفاتِ باری تعالیٰ کے بارے مؤقف ③ افعالِ باری تعالیٰ کے بارے مؤقف ④ (گناہوں پر) وعید کے بارے میں مؤقف ⑤ ایمان کے بارے میں مؤقف ⑥ قرآنِ کریم کے بارے میں مؤقف اور ⑦ امامت کے بارے میں مؤقف

چنانچہ اہل تشبیہ ذاتِ باری تعالیٰ کے بارے میں، جہمی صفاتِ باری تعالیٰ کے بارے میں، قدری افعالِ باری تعالیٰ کے بارے میں، خارجی (گناہوں پر وعید) کے بارے میں، مرجی ایمان کے بارے میں، معتزلی قرآن کے بارے میں اور رافضی امامت کے بارے میں گمراہ ہوگئے ہیں۔

اہل تشبیہ اللہ تعالیٰ کی مثال مانتے ہیں، جہمی اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات کا انکار کرتے ہیں، قدری خیر وشر دونوں کو اللہ تعالیٰ کی مخلوق نہیں مانتے، خارجی یہ دعویٰ کرتے ہیں مسلمان کبیرہ گناہ کی وجہ سے کافر ہو جاتا ہے، مرجی کہتے ہیں کہ عمل ایمان میں داخل نہیں اور کبیرہ گناہ کا مرتکب (عین) مؤمن ہوتا ہے، نیز ایمان میں کمی وبیشی نہیں ہوتی، رافضی اجسام کے دوبارہ زندہ ہونے کے منکر ہیں اور یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ فوت نہیں ہوئے، وہ قیامت سے پہلے دنیا میں تشریف لائیں گے، جبکہ ناجی (نجات پانے والا) گروہ اہل سنت والجماعت، اصحاب الحدیث ہیں اور وہی سوادِ اعظم ہیں۔

اہل سنت والجماعت کے ناجی گروہ ہونے پر دلیل یہ ہے کہ کوئی بھی اس بات میں شک نہیں کرتا کہ ناجی گروہ اللہ کے دین پر کاربند ہوگا اور اللہ کا دین وہ ہے جو قرآن میں نازل ہوا اور سنتِ رسول نے اس کی توضیح وتشریح کی، اہل سنت کہتے ہیں: اللہ تعالیٰ ایک ہے، ﴿لَیْسَ کَمِثْلِہٖ شَیْءٌ وَّھُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ﴾ (الشوری: ۱۱) (اس کی مثل کوئی چیز نہیں اور وہ سمیع وبصیر ہے)، موجودات میں سے کوئی بھی چیز کسی بھی طرح سے اس کے ساتھ شریک نہیں، کیونکہ اگر کوئی اس کا شریک ہو تو جس میں وہ شریک ہے، اس میں اس کا ہم مثل ہوگا، اللہ تعالیٰ کا صرف وہ نام رکھا جائے گا، جو اس نے خود اپنی کتاب میں اپنے لیے رکھا ہے یا اس کے رسول نے اس کا نام رکھا ہے اور امت نے اس پر اجماع کیا ہو (یعنی وہ متشابہات میں سے نہ ہو) یا امت نے اس نام پر اجماع کیا ہو، اسی طرح اللہ تعالیٰ کو صرف اسی صفت کے ساتھ موصوف کیا جائے گا جو اس نے خود یا اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان کی ہے یا اس پر مسلمانوں نے اجماع کیا ہو۔

جو شخص اللہ تعالیٰ کی کوئی صفت اس کے علاوہ بیان کرے، وہ گمراہ ہے، ہم کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ قدرت والا، علم والا، زندہ، سننے والا، دیکھنے والا، کلام کرنے والا، زندگی دینے والا اور موت دینے والا ہے، نیز اس کے لیے قدرت، علم، حیات، سمع، بصر، کلام، ارادہ وغیرہ صفات ہیں، وہ ان تمام صفات کے ساتھ ہمیشہ سے موصوف ہے، اس کی کوئی صفت حادث نہیں، تمام فرقے اگرچہ دعویٰ تو کرتے ہیں کہ وہ اللہ کے دین پر کاربند ہیں، لیکن انہوں نے دین میں بدعات نکالی ہوئی ہیں اور وہ فتنہ وتاویل کی تلاش میں متشابہات کے پیچھے لگے ہوئے ہیں، جبکہ اہل سنت والجماعت نے کتاب وسنت اور سلف صالحین کے اجماع سے تجاوز نہیں کیا، نہ ہی انہوں نے فتنہ وتاویل کی تلاش میں متشابہات کی پیروی کی ہے، انہوں نے تو صرف صحابہ وتابعین اور اور بعد والے مسلمانوں کے اجماع کی قولاً وفعلاً پیروی کی ہے۔

جن (عقائد) کے بارے میں مسلمانوں کا اختلاف ہے اور ان کی کتاب وسنت میں کوئی اصل نہیں، نہ ہی امت کا ان پر اجماع ہے، وہ بدعت ہیں اور اس فرمانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مصداق ہیں: من أحدث في أمرنا ما ليس منه ، فهو ردّ . ''جس نے ہمارے امر (دین) میں وہ چیز نکالی جو اس میں سے نہیں تو وہ مردود ہے۔'' (صحیح بخاری: ۲۵۵۰، صحیح مسلم: ۱۷۱۸)، جن (عقائد) کے بارے میں مسلمانوں نے اختلاف کیا ہے (یعنی وہ متشابہات میں سے ہیں) اور ان کی اصل کتاب وسنت میں موجود ہے، ان پر ایمان واجب ہے اور اس کی تاویل کو اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹا دیا جائے گا، اور اس کے بارے میں وہی کہا جائے گا، جو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿وَمَا یَعْلَمُ تَأْوِیْلَہٗٓ اِلَّا اللّٰہُ وَالرّٰسِخُوْنَ فِی الْعِلْمِ یَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِہٖ کُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا﴾ (آل عمران: ۷) (اس کی تاویل سوائے اللہ کے کوئی نہیں جانتا اور علم میں رسوخ رکھنے والے کہتے ہیں کہ ہم اس پر ایمان لائے، سب ہمارے رب کی طرف سے ہے)، ہم کسی (متشابہ) چیز کی تاویل میں نہیں پڑتے اور رہے وہ مسائل اجتہادیہ اور فروعِ دینیہ جن میں مسلمانوں کا اختلاف ہو گیا ہے تو ان کی وجہ سے انسان بدعتی نہیں ہوتا، نہ ہی اس پر مذمت ووعید کی جائے گی۔'' (الحجّة في بيان المحجّة: ۲/۴۰۹۔۴۱۱)

شوال ۱۴۳۰ھ، اکتوبر ۲۰۰۹ء

شمارہ نمبر: ۱۲

مانعینِ رفع الیدین کے دلائل کا علمی محاسبہ

غلام مصطفیٰ ظہیر امن پوری

رکوع کو جاتے اور رکوع سے سر اٹھاتے وقت رفع الیدین متواتر احادیث سے ثابت ہے۔

حافظ ذہبی رحمہ اللہ (م ۷۴۸ھ) نے رفع الیدین کو "سنتِ متواترہ" قرار دیا ہے۔ (سیر اعلام النبلاء : ۲۹۳/۵)

علامہ زرکشی (۷۴۵۔۷۹۴ھ) لکھتے ہیں: **وفی دعوی أنّ أحادیث الرّفع فیما عدا التّحریم لم تبلغ مبلغ التّواتر نظر ، وکلام البخاریّ فی کتاب رفع الیدین مصرّح ببلوغها ذلک .**

"یہ دعویٰ محل نظر ہے کہ تکبیر تحریمہ کے علاوہ رفع الیدین کی احادیث تواتر تک نہیں پہنچیں ، کتاب (جز) رفع الیدین میں امام بخاری کی کلام ان کے تواتر تک پہنچنے کی صراحت کرتی ہے۔"

(المعتبر فی تخریج احادیث المنهاج والمختصر للزرکشی : ۱۳٦)

حافظ ابنِ حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: **وفی دعوی ابن کثیر أنّ حدیث رفع الیدین فی أوّل الصّلاۃ دون حدیث رفع الیدین عند الرّکوع متواتر نظر ، فانّ کلّ من روی الأوّل روی الثّانی الّا الیسیر ...** "حافظ ابنِ کثیر رحمہ اللہ کا یہ دعویٰ محل نظر ہے کہ نماز کے شروع میں رفع الیدین متواتر ہے، رکوع کے وقت متواتر نہیں، بلاشبہ سوائے ایک دو راویوں کے ہر وہ راوی جس نے پہلی رفع الیدین بیان کی ہے، اس نے دوسری رفع الیدین بھی بیان کی ہے۔" (موافقة الخبر الخبر لابن حجر : ۴۰۹/۱)

مانعینِ رفع الیدین کے پاس کوئی مرفوع، صحیح اور خاص دلیل نہیں، ان کے عمومی دلائل کا مختصر اور جامع علمی و تحقیقی جائزہ پیشِ خدمت ہے:

دلیل نمبر ① : سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں بیان کرتے ہیں: **أنّه کان یرفع یدیه فی أوّل تکبیرۃ ، ثمّ لا یعود .**

"آپ صلی اللہ علیہ وسلم پہلی تکبیر میں رفع الیدین فرماتے تھے، پھر دوبارہ نہ کرتے۔"

(مسند الامام احمد : ۳۸۸/۱، ۴۴۱، سنن ابی داؤد : ۷۴۸، سنن النسائی : ۱۰۲۷، سنن الترمذی : ۲۵۷)

تبصرہ : ① یہ روایت "ضعیف" ہے، اس میں امام سفیان ثوری ہیں، جو کہ بالاجماع

''مدلس''ہیں، ساری کی ساری سندوں میں ''عن'' سے روایت کررہے ہیں، سماع کی تصریح ثابت نہیں۔

مسلّم اصول ہے کہ جب ''ثقہ مدلس'' بخاری ومسلم کے علاوہ ''عن'' یا ''قال'' کے الفاظ کے ساتھ حدیث بیان کرے تو وہ ''ضعیف'' ہوتی ہے۔

اس حدیث کے راوی امام عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ (م ۱۸۱ھ) نے امام ہشیم بن بشیر رحمہ اللہ (م ۱۸۳ھ) سے پوچھا، آپ ''تدلیس'' کیوں کرتے ہیں؟ تو انہوں نے فرمایا: **انّ کبیریک قد دلّسا ، الأعمش و سفیان .** ''آپ کے دو بڑوں امام اعمش اور امام سفیان رحمہما اللہ نے بھی تدلیس کی ہے۔''

(الکامل لابن عدی : ۹۵/۱، ۱۳۵/۷، وسندہٗ صحیحٌ)

امام عینی حنفی لکھتے ہیں: **سفیان من المدلّسین ، والمدلّس لا یحتجّ بعنعنته الّا أن یثبت سماعه من طریق آخر .** ''سفیان مدلس راویوں میں سے ہیں اور مدلس راوی کے عنعنہ سے حجت نہیں لی جاتی، الا یہ کہ دوسری سند میں اس کا سماع ثابت ہوجائے۔''(عمدۃ القاری : ۱۱۲/۳)

② یہ ''ضعیف'' روایت عام ہے، جبکہ رکوع کو جاتے اور رکوع سے سر اٹھاتے وقت رفع الیدین کے متعلق احادیث خاص ہیں، خاص کو عام پر مقدم کیا جاتا ہے، لہٰذا یہ حدیث عدمِ رفع الیدین کے ثبوت پر دلیل نہیں بن سکتی۔

③ مانعینِ رفع الیدین یہ بتائیں کہ وہ اس حدیث کو پسِ پشت ڈالتے ہوئے خود وتروں اور عیدین میں پہلی تکبیر کے علاوہ کیوں رفع الیدین کرتے ہیں؟

حدیثِ ابن مسعود رضی اللہ عنہ محدثین کرام کی نظر میں

① امام عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ فرماتے ہیں: **لم یثبت عندی حدیث ابن مسعود .**

''میرے نزدیک حدیثِ ابنِ مسعود ثابت نہیں۔''(سنن الترمذی : تحت حدیث ۲۵٦، سنن الدارقطنی : ۳۹۳/۱، السنن الکبرٰی للبیہقی : ۷۹/۲، وسندہٗ صحیحٌ)

② امام ابوداوٗد رحمہ اللہ اس حدیث کو ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

ولیس هو بصحیح علی هذا اللفظ . ''یہ حدیث ان الفاظ کے ساتھ صحیح نہیں۔''

③ امام ابوحاتم الرازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: **هذا خطأ .** ''یہ غلطی ہے۔''(العلل : ۹٦/۱)

④ امام دارقطنی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: **ولیس قول من قال : ثمّ لم یعد محفوظاً .**

''جس راوی نے دوبارہ رفع الیدین نہ کرنے کے الفاظ کہے ہیں، اس کی روایت محفوظ نہیں۔'' (العلل : ۱۷۳/۵)

⑤ امام ابن حبان رحمہ اللہ فرماتے ہیں: **هو في الحقيقة أضعف شئ يعوّل عليه ، لأنّ له عللاً تبطله .** ''درحقیقت یہ ضعیف ترین چیز ہے جس پر اعتماد کیا جاتا ہے، کیونکہ اس میں کئی علتیں ہیں جو اسے باطل قرار دیتی ہیں۔'' (التلخيص الحبير لابن حجر : ۲۲۲/۱)

تنبیہ : اگر کوئی کہے کہ امام ترمذی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو ''حسن'' کہا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ حنفی مذہب کی معتبر کتابوں میں لکھا ہے:

''ابنِ دحیہ نے اپنی کتاب ''العلم المشہور'' میں کہا ہے کہ امام ترمذی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب میں کتنی ہی موضوع (من گھڑت) اور ''ضعیف'' سندوں والی احادیث کو ''حسن'' کہہ دیا ہے۔'' (نصب الراية للزيلعي : ۲۱۷/۲، البناية للعيني : ۸٦۹/۲، مقالات الكوثري : ۳۱۱، صفائح اللجين از احمد رضا خان بريلوى : ۲۹)

اہل علم جانتے ہیں کہ امام ترمذی رحمہ اللہ کا تساہل معروف ہے، وہ کتنی ''ضعیف'' احادیث کو ''حسن'' کہہ دیتے ہیں، خود حنفی بھائی جرابوں کے مسح والی حدیث کو امام ترمذی رحمہ اللہ کے ''حسن'' کے ساتھ ساتھ ''صحیح'' کہنے کے باوجود بھی ''حسن'' تسلیم نہیں کرتے۔

دلیل نمبر ② : سیدنا جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، بیان کرتے ہیں:

خرج علينا رسول اللّٰه صلّى اللّٰه عليه وسلّم ، فقال : ما لي أراكم رافعي أيديكم كأنّها أذناب خيل شمس ؟ اسكنوا في الصّلاة ! ''رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس تشریف لائے اور فرمایا، مجھے کیا ہے کہ میں تمہیں شریر گھوڑوں کی دموں کی طرح ہاتھ اٹھائے ہوئے دیکھ رہا ہوں، نماز میں سکون کیا کرو!'' (صحيح مسلم : ۱۸۱/۱، ح : ۴۳۰)

تبصرہ : ① اس ''صحیح'' حدیث میں رکوع کو جاتے اور رکوع سے سر اٹھاتے وقت رفع الیدین کی نفی نہیں ہے، بلکہ محدثین کرام کا اس بات پر اجماع ہے کہ اس کا تعلق تشہد اور سلام کے ساتھ ہے، نہ کہ قیام کے ساتھ، تمیم بن طرفہ کی یہی روایت اختصار کے ساتھ مسند الامام احمد (۹۳/۵) میں موجود ہے، جس میں **وهم قعود** (آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمان اس حال میں جاری فرمایا کہ صحابہ کرام تشہد میں بیٹھے ہوئے تھے) کے الفاظ ہیں، اس کی وضاحت و تائید دوسری روایت میں سیدنا جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ کے ان الفاظ سے بھی ہوتی ہے:

كنّا اذا صلّينا مع رسول اللّٰه صلّى اللّٰه عليه وسلّم قلنا : السّلام عليكم ورحمة اللّٰه ،

السّلام عليكم ورحمة اللّٰه ، وأشار بيده الى الجانبين ، فقال رسول اللّٰه صلّى اللّٰه عليه وسلّم : علام تؤمون بأيديكم كأنّها أذناب خيل شمس ؟ انّما يكفى أحدكم أن يضع يده على فخذه ، ثمّ يسلّم على أخيه من على يمينه وشماله . ''ہم جب رسولِ کریم ﷺ کے ساتھ (باجماعت) نماز پڑھتے تھے تو السلام علیکم ورحمۃ اللہ، السلام علیکم ورحمۃ اللہ کہتے، انہوں نے اپنے ہاتھ کے ساتھ دونوں جانب اشارہ کیا، اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، تم اپنے ہاتھوں کے ساتھ یوں اشارہ کیوں کرتے ہو، جیسے وہ شریر گھوڑوں کی دمیں ہوں؟ تم میں سے کسی کو یہ کافی ہے کہ وہ اپنے ہاتھ کو اپنی ران پر رکھے، پھر اپنے بھائی (ساتھ نماز پڑھنے والے) پر دائیں اور بائیں سلام کہے۔'' (صحیح مسلم: ۱۸۱/۱، ح: ٤٣١)

اس روایت نے بھی اوپر والی روایت کا مطلب واضح کر دیا ہے، اس پر مستزاد محدثین کا فہم سونے پر سہاگہ ہے، لہٰذا اس حدیث سے رفع الیدین کے منسوخ ہونے کا دعویٰ کرنا اہل حق کو زیبا نہیں، کسی محدث نے اس حدیث کو عدمِ رفع الیدین کے لیے پیش نہیں کیا، ایک مؤمن کا ایمان اس بات کو کیسے تسلیم کرلے کہ جو کام نبی کریم ﷺ پہلے خود کرتے تھے، وہی کام اپنے صحابہ کو کرتے دیکھا تو اس کو سرکش گھوڑوں کی دُموں کی حرکت سے تشبیہ دے دی؟

اس حدیث کے بارے میں دیوبندیوں کے ''شیخ الہند'' محمود الحسن دیوبندی صاحب کہتے ہیں:

''باقی اذنابِ خیل کی روایت سے جواب دینا از روئے انصاف درست نہیں، کیونکہ وہ سلام کے بارے میں ہے۔'' (تقارير شيخ الهند: ٦٥، مطبوعه اداره تاليفات اشرفيه ملتان)

اس حدیث کے بارے میں جناب محمد تقی عثمانی حیاتی دیوبندی کہتے ہیں: ''لیکن انصاف کی بات یہ ہے کہ اس حدیث سے حنفیہ کا استدلال مشتبہ اور کمزور ہے، کیونکہ ابن القبطیہ کی روایت میں سلام کے وقت کی جو تصریح موجود ہے، اس کی موجودگی میں ظاہر اور متبادر یہی ہے کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث رفع عند السلام سے متعلق ہے اور دونوں حدیثوں کو الگ الگ قرار دینا جب کہ دونوں کا راوی بھی ایک ہے اور متن بھی قریب قریب ہے، بُعد سے خالی نہیں، حقیقت یہی ہے کہ حدیث ایک ہی ہے اور رفع عند السلام سے متعلق ہے، ابن القبطیہ کا طریق مفصل ہے اور دوسرا طریق مختصر و مجمل، لہٰذا دوسرے طریق کو پہلے طریق پر ہی محمول کرنا چاہیے، شاید یہی وجہ ہے کہ حضرت (انور) شاہ صاحب (کشمیری) نور اللہ مرقدہ اس حدیث کو حنفیہ کے دلائل میں ذکر نہیں کیا۔'' (درس ترمذی از تقی: ٣٦/٢)

مشہور حنفی امام، ابن ابی العز رحمہ اللہ (م۷۹۲ھ) اس حدیث کے متعلق لکھتے ہیں: وما استدلّ به من حديث جابر بن سمرة رضى الله عنه قال : خرج علينا رسول الله صلّى الله عليه وسلّم ، فقال : ما لى أراكم رافعى أيديكم كأنّها أذناب خيل شمس ؟ اسكنوا فى الصّلاة ! رواه مسلم ، وأنّ الأمر بالسّكون فى الصّلاة ينافى الرّفع عند الرّكوع والرّفع منه لا يقوى ، لأنّه قد جاء فى رواية أخرى لمسلم عنه ، قال : صلّينا مع رسول الله صلّى الله عليه وسلّم ، فكنّا اذا سلّمنا ، قلنا بأيدينا : السّلام عليكم ، فنظر الينا رسول الله صلّى الله عليه وسلّم ، فقال : ما لكم تشيرون بأيديكم كأنّها أذناب خيل شمس ، اذا سلّم أحدكم فليلتفت الى صاحبه ، ولا يؤمى بيده .

وأيضا فلا نسلّم أنّ الأمر بالسّكون فى الصّلاة ينافى الرّفع عند الرّكوع والرّفع منه ، لأنّ الأمر بالسّكون ليس المراد منه ترک الحركة فى الصّلاة مطلقا ، بل الحركة المنافية للصّلاة بدليل شرع الحركة للرّكوع والسجود ورفع اليدين عند تكبيرة الافتتاح وتكبير القنوت وتكبيرات العيدين ، فان قيل : خرج ذلک بدليل ، قيل : وكذلک خرج الرّفع عند الرّكوع والرّفع منه بدليل ، فعلم أنّ المراد منه الاشارة بالسّلام باليد .

''اور جو سیدنا جابر رضی اللہ عنہ کی صحیح مسلم والی حدیث سے استدلال کیا جاتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سرکش گھوڑوں کی دُموں کی طرح ہاتھ اٹھانے سے منع فرمایا اور نماز میں سکون کا حکم فرمایا، نیز یہ کہنا کہ نماز میں سکون کا حکم رکوع جاتے اور رکوع سے سر اٹھاتے وقت رفع الیدین کے منافی ہے، کوئی قوی بات نہیں، کیونکہ جابر رضی اللہ عنہ سے ہی مروی صحیح مسلم کی دوسری روایت میں ہے، ہم (صحابہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ (باجماعت) نماز پڑھتے تھے، جب ہم سلام پھیرتے تو اپنے ہاتھوں کے ساتھ (اشارہ کرکے) السلام علیکم کہتے ، رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہماری طرف دیکھا تو فرمایا، تمہیں کیا ہے کہ تم اپنے ہاتھوں کے ساتھ ایسے اشارہ کرتے ہو، جیسے وہ شریر گھوڑوں کی دُمیں ہوں، جب تم میں سے کوئی سلام پھیرے تو اپنے (ساتھ والے) بھائی کی طرف منہ پھیرے، ہاتھ کے ساتھ اشارہ نہ کرے۔

اسی طرح ہم اس بات کو بھی تسلیم نہیں کرتے کہ نماز میں سکون کا حکم رکوع کو جاتے اور رکوع سے سر اٹھاتے وقت رفع الیدین کی نفی کرتا ہے، کیونکہ سکون کے حکم سے مراد یہ نہیں کہ نماز میں بالکل حرکت ختم چھوڑ دی جائے، بلکہ اس حرکت کی نفی ہے جو نماز کے منافی ہے، دلیل یہ ہے کہ رکوع، سجدہ، تکبیر تحریمہ، قنوت کی تکبیر اور عیدین کی تکبیرات کے ساتھ رفع الیدین مشروع ہے (وہ بھی تو حرکت ہے)۔

اگر کوئی یہ کہے کہ یہ حرکت دلیل کے ساتھ (ممانعت سے) خارج ہوگئی ہے، تو اسے بھی یہی جواب دیا جائے گا کہ رکوع کو جاتے اور رکوع سے سر اٹھاتے وقت کی رفع الیدین بھی دلیل کے ساتھ (ممانعت سے) خارج ہوگئی ہے۔

معلوم ہوا کہ اس (صحیح مسلم کی حدیث جابر رضی اللہ عنہ) سے مراد سلام کے وقت ہاتھ سے اشارہ کرنا ہے۔''

(التنبیه علی مشکلات الهدایة لابن ابی العز الحنفی : ۲/۵۷۰۔۵۷۱)

اتنی وضاحت کے بعد بھی اگر کوئی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیاری سنتِ رفع الیدین کے خلاف یہ حدیث پیش کرے تو اس پر افسوس ہے کہ وہ جہالت پر مبنی اس طرح کی بعید و عجیب باتیں کرتا ہے!

حافظ ابن الملقن رحمہ اللہ (۷۲۳۔۸۰۴ھ) اس حدیث کے بارے میں لکھتے ہیں: **وهو حديث جابر بن سمرة ، فجعله معارضا لما قدّمناه من أقبح الجهالات لسنّة سيدنا رسول الله صلّى الله عليه وسلّم ، لأنّه لم يرد فى رفع الأيدى فى الرّكوع والرّفع منه ، وانّما كانوا يرفعون أيديهم فى حالة السّلام من الصّلاة ويشيرون بها الى الجانبين ، يريدون بذلك السّلام على من على الجانبين ، وهذا لا اختلاف فيه بين أهل الحديث ، ومن له أدنىٰ اختلاط بأهله ، وبرهان ذلك أنّ مسلم بن الحجّاج رواه فى صحيحه من طريقين ...** ''وہ جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے، اسے ہماری پیش کردہ روایاتِ (رفع الیدین) کے مخالف بنانا ہمارے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت سے قبیح ترین جہالت ہے، کیونکہ یہ حدیث رکوع جانے اور رکوع سے سر اٹھانے کے بارے میں نہیں ہے، اصل بات یہ ہے کہ صحابہ کرام نماز سے سلام پھیرنے کی حالت میں اپنے ہاتھوں کو اٹھا کر دونوں طرف اشارہ کرتے تھے، وہ اس سے سلام کرنے کا ارادہ کرتے تھے، اس بارے میں محدثین اور ان سے ادنیٰ سا بھی تعلق رکھنے والوں میں کوئی اختلاف نہیں، اس کی دلیل یہ ہے کہ امام مسلم نے اس حدیث کو اپنی صحیح میں دو سندوں کے ساتھ روایت کیا ہے۔۔۔'' (البدر المنیر لابن الملقن : ۳/۴۸۵)

شارحِ مسلم حافظ نووی رحمہ اللہ (م ۶۷۶ھ) لکھتے ہیں: **وأمّا حديث جابر بن سمرة ، فاحتجاجهم به من أعجب الأشياء ، وأقبح أنواع الجهالة بالسّنّة ، لأنّ الحديث لم يرد فى رفع الأيدى فى الرّكوع والرّفع منه ، ولكنّهم كانوا يرفعون أيديهم فى حالة السّلام من الصّلاة ويشيرون بها الى الجانبين ، يريدون بذلك السّلام على من عن الجانبين ، وهذا لا خلاف فيه بين أهل الحديث ومن له أدنىٰ اختلاط بأهل الحديث ، ويبيّنه أنّ مسلم بن الحجّاج رحمه الله**

رواه فی صحیحه من طریقین ...

''رہی سیدنا جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث تو ان (احناف) کا اس سے دلیل لینا بہت بڑا عجوبہ اور سنتِ رسول سے جہالت کا قبیح ترین نمونہ ہے، کیونکہ یہ حدیث رکوع جاتے اور سر اٹھاتے وقت رفع الیدین کے بارے میں نہیں، بلکہ صحابہ کرام نماز سے سلام پھیرنے کی حالت میں اپنے ہاتھوں کو اٹھاتے اور ان کے ساتھ دونوں جانب اشارہ کرتے تھے، ان کا ارادہ دونوں جانب سلام کرنے کا ہوتا تھا، اس بات میں محدثین اور ان سے ادنیٰ سا تعلق رکھنے والوں میں سے کسی کا کوئی اختلاف نہیں، اس کی وضاحت اس بات سے ہوتی ہے کہ امام مسلم بن الحجاج رحمہ اللہ نے اس حدیث کو اپنی صحیح میں دو سندوں سے روایت کیا ہے۔۔۔'' (المجموع : ۴۰۳/۳)

امام ابنِ حبان رحمہ اللہ (م ۳۵۴ھ) نے اس حدیث پر یوں باب قائم کیا ہے: ذکر الخبر المقتضی للفظة المختصرة الّتی تقدّم ذکرنا لها ، بأنّ القوم انّما أمروا بالسّکون فی الصّلاة عند الاشارة بالتّسلیم دون رفع الیدین عند الرّکوع . ''اس حدیث کا بیان جو تقاضا کرتی ہے کہ ہمارے پہلے ذکر کردہ مختصر الفاظ سے مراد یہ ہے کہ صحابہ کرام کو صرف نماز میں سلام کا اشارہ کرتے وقت سکون کا حکم دیا گیا تھا، نہ کہ رکوع میں رفع الیدین کرتے وقت۔'' (صحیح ابن حبان : تحت حدیث ۱۸۸۰)

امیر المؤمنین فی الحدیث، فقیہ الامت، سیدنا امام بخاری رحمہ اللہ (م ۲۵۶ھ) اس حدیثِ جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں لکھتے ہیں: فانّما کان هذا فی التّشهّد ، لا فی القیام ، کان یسلّم بعضهم علی بعض ، فنهی النّبیّ صلّی اللّٰه علیه وسلّم عن رفع الأیدی فی التّشهّد ، ولا یحتجّ بهذا من له حظ من العلم ، هذا معروف مشهور ، لا اختلاف فیه ، ولو کان کما ذهب الیه لکان رفع الأیدی فی أوّل التّکبیرة وأیضا تکبیرات صلاة العیدین منهیّا عنها ، لأنّه لم یستثن رفعا دون رفع ، وقد بیّنه حدیث ... ''یہ حدیث تشہد کے بارے میں تھی، نہ کہ قیام کے بارے میں، صحابہ کرام (ہاتھ اٹھا کر) ایک دوسرے پر سلام کہتے تھے، تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تشہد میں ہاتھوں کو اٹھانے سے منع فرما دیا، اس حدیث سے کوئی بھی ایسا شخص (رفع الیدین کی ممانعت پر) دلیل نہیں لے گا جس کو علم کا کچھ حصہ نصیب ہوا ہو، یہ بات مشہور و معروف ہے، اس میں کوئی اختلاف نہیں، اگر بات ایسے ہوتی، جیسے یہ (مانع رفع الیدین) گیا ہے تو پہلی تکبیر اور عید کی تکبیرات کے ساتھ رفع الیدین بھی منع ہونا چاہیے تھا، کیونکہ (اس حدیث میں) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے رفع الیدین کا کوئی موقع مستثنیٰ نہیں فرمایا، پھر (دوسری) حدیث نے بھی اس کی وضاحت کر دی

ہے۔'' (جزء رفع الیدین للامام البخاری : ص ٦١-٦٢)

② اگر رفع الیدین نماز میں سکون کے منافی ہے تو شروع نماز میں، نیز وتروں اور عیدین کا رفع الیدین کیوں کیا جاتا ہے؟ شروع نماز میں رفع الیدین نماز میں داخل ہے، جیسا کہ سیدنا مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: **كان اذا كبّر رفع يديه .** ''نبی کریم ﷺ جب اللہ اکبر کہتے تو رفع الیدین کرتے تھے۔'' (صحیح مسلم : ١٦٨/١، ح : ٣٩١) یہ بات تو مسلّم ہے کہ نماز تکبیر تحریمہ سے شروع ہوجاتی ہے۔

الحاصل : حدیثِ جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ کا تعلق بلا اختلاف سلام کے ساتھ ہے، اس سے عدمِ رفع الیدین پر دلیل لینے والا امام بخاری، حافظ نووی اور حافظ ابن الملقن رحمہم اللہ کے نزدیک ''جاہل'' اور محمود الحسن دیوبندی و تقی عثمانی دیوبندی صاحبان کے نزدیک ''ناانصاف'' ہے۔

دلیل نمبر ③ : سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے: **رأيت رسول الله صلّى الله عليه وسلّم ، اذا افتتح رفع يديه حتّى يحاذي بها منكبيه .... واذا أراد أن يركع وبعد ما يرفع رأسه لا يرفعهما .** ''میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا، آپ ﷺ جب نماز شروع کرتے تو اپنے کندھوں کے برابر رفع الیدین کرتے ۔۔۔ اور جب رکوع جاتے اور رکوع سے سر اٹھانے کے بعد رفع الیدین نہیں کرتے تھے۔'' (صحیح ابی عوانۃ : ٩٠/٢)

تبصرہ : ① اس حدیث کو عدمِ رفع الیدین کے ثبوت میں وہی پیش کر سکتا ہے جو شرم و حیا سے عاری اور علمی بد دیانتی کا مرتکب ہو، کسی محدث نے اس حدیث کو رفع الیدین نہ کرنے پر پیش نہیں کیا۔

دراصل **لا يرفعهما** والے الفاظ کا تعلق اگلے الفاظ **بين السّجدتين** کے ساتھ تھا، اصل میں یوں تھا: **ولا يرفعهما بين السّجدتين.** ''اور آپ دو سجدوں کے درمیان رفع الیدین نہیں کرتے تھے۔''

بعض الناس نے ان الفاظ کے شروع سے ''واؤ'' گرا کر اس کا تعلق پچھلی عبارت سے جوڑنے کی جسارت کی ہے، جبکہ یہ ''واؤ'' مسند ابی عوانہ کے دوسرے نسخوں میں موجود ہے۔

② اس روایت کے راوی امام سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ سے یہی روایت ان کے چھ ثقہ شاگرد **ولا يرفعهما بين السّجدتين** (آپ دو سجدوں کے درمیان رفع الیدین نہیں کرتے تھے) کے الفاظ کے ساتھ روایت کرتے ہیں۔ (صحیح مسلم : ١٦٨/١، ح : ٣٩٠)

③ امام ابوعوانہ رحمہ اللہ خود فرماتے ہیں کہ بعض راویوں نے **ولا یرفع بین السّجدتین** کے الفاظ روایت کیے ہیں، جبکہ معنیٰ ایک ہی ہے، یعنی آپ دوسجدوں کے درمیان رفع الیدین نہیں کرتے تھے۔

④ امام ابوعوانہ رحمہ اللہ نے اس حدیث پر یوں باب قائم کیا ہے: **بیان رفع الیدین فی افتتاح الصّلاة قبل التّکبیر بحذاء منکبیه وللرّکوع ولرفع رأسه من الرّکوع ، وانّه لا یرفع بین السّجدتین .** ''نماز کے شروع میں تکبیر سے پہلے، رکوع کے لیے اور رکوع سے سر اٹھانے کے لیے رفع الیدین کا بیان اور اس بات کا بیان کہ آپ ﷺ دوسجدوں کے درمیان رفع الیدین نہیں کرتے تھے۔''

یہ کیسے ممکن ہے کہ ایک محدث رفع الیدین کے ثبوت کا باب قائم کرے اور حدیث وہ لائے جس سے رفع الیدین کی نفی ہو رہی ہو، یہ ایسے ہی ہے، جیسے کوئی سنار اپنی دکان پر گوشت اور سبزی کا بورڈ سجادے۔

⑤ خود امام ابوعوانہ رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ امام شافعی اور امام ابوداؤد رحمہما اللہ کی روایات جن میں رکوع کو جاتے اور سر اٹھاتے وقت رفع الیدین کا ثبوت ہے، اسی روایت کی طرح ہیں، لہٰذا یہ حدیث رفع الیدین کے ثبوت پر چوٹی کی دلیل ہے۔ **والحمد اللّٰه !**

دلیل نمبر ⑦ : سیدنا ابنِ عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: **رأیت رسول اللّٰه صلّی اللّٰه علیه وسلّم اذا افتتح الصّلاة رفع یدیه حذو منکبیه واذا أراد أن یرکع وبعد ما یرفع رأسه من الرّکوع فلا یرفع ولا بین السّجدتین .** ''میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا، جب آپ ﷺ نماز شروع کرتے تو کندھوں کے برابر رفع الیدین کرتے اور جب رکوع کا ارادہ کرتے اور جب رکوع سے سر اٹھاتے تو رفع الیدین نہیں کرتے تھے، نہ ہی سجدوں کے درمیان کرتے تھے۔'' (مسند الحمیدی : ۲۷۷/۲، ح : ٦١٤)

تبصرہ : اس حدیث سے عدمِ رفع الیدین پر دلیل لینا دیانتِ علمی کے خلاف ہے، کیونکہ مسند الحمیدی کے جس نسخہ سے یہ روایت ذکر کی گئی ہے، وہ جعلی نسخہ ہے، جو حبیب الرحمٰن اعظمی دیوبندی صاحب کی تحقیق سے ساتھ چھپا ہے۔

ہم حیران ہیں کہ ایک بڑا نفیس واعلیٰ اور معتمد علیہا نسخہ ظاہریہ ۶۰۳ھ، جس کے ناسخ محدث احمد بن عبدالخالق ہیں، دوسرا نسخہ ظاہریہ ۶۸۹ھ، جس کے ناسخ احمد بن نصر الدقوقی ہیں، ان دونوں قدیم نسخوں کو چھوڑ کر ایک ایسے نسخہ محرفہ پر اعتماد کرلیا گیا ہے، جس کا کوئی صفحہ غلطیوں سے خالی نہیں ہے۔

مسند الحمیدی والی یہی حدیثِ ابنِ عمر المسند المستخرج علی صحیح الامام مسلم لأبی نعیم الاصبھانی (۱۲/۲) پر ان الفاظ کے ساتھ موجود ہے: عن عبداللّٰہ بن عمر : رأیت رسول اللّٰہ صلّی اللّٰہ علیه وسلّم ، اذا افتتح الصّلاة رفع یدیه حذو منکبیه واذا أراد أن یرکع وبعد ما یرفع رأسه من الرّکوع ، ولا یرفع بین السّجدتین ، اللفظ للحمیدیّ .

یعنی امام ابونعیم رحمہ اللہ نے یہ روایت امام حمیدی کے الفاظ کے ساتھ ذکر کی ہے، لیکن اس میں رکوع کو جاتے اور رکوع سے سر اٹھاتے وقت رفع الیدین کا اثبات ہے، یہ روایت حبیب الرحمٰن اعظمی صاحب کے رد میں بڑی زبردست دلیل ہے، کسی محدث یا کسی حنفی امام نے ان دیوبندیوں سے پہلے اس روایت کو عدمِ رفع الیدین کے لیے پیش نہیں کیا، کیوں؟ جبکہ مسند الحمیدی ہر دور میں متداول رہی ہے۔

معلوم ہوا کہ مسند الحمیدی والی حدیث عدم کے بجائے اثباتِ رفع الیدین کی زبردست دلیل ہے۔

دلیل نمبر ⑤ : سیدنا براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: انّ رسول اللّٰہ صلّی اللّٰہ علیه وسلّم کان اذا افتتح الصّلاة رفع یدیه الی قریب من أذنیه ، ثمّ لا یعود .

''بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز شروع فرماتے تو اپنے کانوں کے قریب تک رفع الیدین کرتے، پھر دوبارہ نہ فرماتے۔'' (سنن ابی داؤد : ۷۴۹، سنن الدارقطنی : ۲۹۳/۱، مسند ابی یعلیٰ : ۱۶۹۰)

تبصرہ : ① اس کی سند ''ضعیف'' ہے، حفاظ محدثین کا اس حدیث کے ''ضعف'' پر اجماع و اتفاق ہے، اس کا راوی یزید بن ابی زیاد جمہور کے نزدیک ''ضعیف'' اور ''سیئ الحفظ'' ہے، نیز یہ ''مدلس'' اور ''مختلط'' بھی ہے، تلقین بھی قبول کرتا تھا، حافظ ابنِ حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں: ضعیف ، کبر ، فتغیّر وصار یتلقّن وکان شیعیّا . ''یہ ضعیف راوی ہے، بڑی عمر میں اس کا حافظہ خراب ہو گیا تھا اور یہ تلقین قبول کرنے لگا تھا، یہ شیعی بھی تھا۔'' (تقریب التھذیب : ۷۷۱۷)

نیز لکھتے ہیں: والجمهور علیٰ تضعیف حدیثه . '' جمہور محدثین اس کی حدیث کو ضعیف کہتے ہیں۔'' (ھدی الساری : ٤٥٩)

بوصیری لکھتے ہیں: یزید بن أبی زیاد أخرج له مسلم فی المتابعات وضعّفه الجمهور .
''یزید بن ابی زیاد کی حدیث امام مسلم رحمہ اللہ نے متابعات میں بیان کی ہے، جمہور نے اسے ضعیف قرار دیا ہے۔'' (زوائد ابن ماجه : ٥٤٩/٢)

امام دارقطنی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: لا یخرج منه فی الصّحیح ، ضعیف ، یخطئ کثیرا .
''کسی صحیح کتاب میں اس کی کوئی حدیث بیان نہیں کی جائے گی، یہ ضعیف ہے اور بہت زیادہ غلطیاں کرتا تھا۔'' (سوالات البرقانی : ۵٦١)

حافظ ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ولیس هو بالمتقن ، فلذا لم یحتجّ به الشّیخان .
''وہ پختہ راوی نہیں، اسی لیے شیخین (بخاری و مسلم) نے اس سے حجت نہیں لی۔'' (سیر اعلام النبلاء : ۱۲۹/٦)
یہ صحیح مسلم کا راوی نہیں ہے، امام مسلم نے اس سے مقروناً روایت لی ہے۔

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ولم یکن یزید بن أبی زیاد بالحافظ ، لیس بذاک .
''یزید بن ابی زیاد حافظ نہیں تھا، حدیث کی روایت کے قابل نہ تھا۔'' (الجرح والتعدیل : ۲٦۵/۹)

امام ابوحاتم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: لیس بالقویّ . ''یہ قوی نہیں تھا۔'' (الجرح والتعدیل : ۲٦۵/۹)

امام ابوزرعہ الرازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: لیّن ، یکتب حدیثه ، ولا یحتجّ به . ''کمزور راوی ہے، اس کی حدیث لکھی جائے گی، لیکن اس سے حجت نہیں لی جائے گی۔'' (الجرح والتعدیل : ۲٦۵/۹)

امام جوزجانی کہتے ہیں: سمعتهم یضعّفون حدیثه . ''میں نے محدثین کو اس کی حدیث کو ضعیف قرار دیتے سنا ہے۔'' (احوال الرجال : ۱۳۵)

امام نسائی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: لیس بالقویّ . ''یہ قوی نہیں۔'' (الضعفاء والمتروکون : ٦۵۱)

امام یحییٰ بن معین رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ولا یحتجّ بحدیث یزید بن أبی زیاد . ''یزید بن ابی زیاد کی حدیث سے حجت نہیں لی جائے گی۔'' (تاریخ یحییٰ بن معین : ۳۱٤٤)

امام وکیع رحمہ اللہ فرماتے ہیں: لیس بشئ . ''یہ (حدیث میں) کچھ بھی نہیں۔''
(الضعفاء للعقیلی : ۳۸۰/٤، وسندہٗ صحیحٌ)

امام علی بن المدینی رحمہ اللہ نے بھی اسے ''ضعیف'' قرار دیا ہے۔ (الضعفاء للعقیلی : ٤۸۰/٤، وسندہٗ صحیحٌ)

امام شعبہ رحمہ اللہ کہتے ہیں: کان یزید بن ابی زیاد رفّاعاً . ''یزید بن ابی زیاد رفّاع (موقوف روایات کو مرفوع بنا دینے والا) تھا۔'' (الجرح والتعدیل لابن ابی حاتم : ۲٦۵/۹)

امام عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ارم به . ''اسے پھینک (چھوڑ) دو۔'' (تہذیب التہذیب : ۲۸۸/۱۱)

امام ابنِ عدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ویزید من شیعة أهل الکوفة ، مع ضعفه یکتب حدیثه .

’’یزید اہل کوفہ کے شیعہ میں سے ہے، ضعف کے ساتھ ساتھ اس کی حدیث لکھی جائے گی۔‘‘ (الکامل: ۲۷۶/۷)

لہٰذا امام عجلی (تاریخ العجلی: ۲۰۱۹) اور امام ابن سعد (الطبقات الکبریٰ: ۳۴۰/۶) کا اس کو ’’ثقہ‘‘ کہنا اور امام ابنِ شاہین کا اسے ’’الثقات (۱۵۶۱)‘‘ میں ذکر کرنا جمہور کی تضعیف کے مقابلے میں ناقابل التفات ہے۔

نیز اس کی توثیق کے بارے میں احمد بن صالح المصری کا قول ثابت نہیں ہے۔

الحاصل : یہ حدیث باتفاقِ محدثین ’’ضعیف‘‘ ہے، ’’ضعف‘‘ کے ساتھ ساتھ یزید بن ابی زیاد نے اسے بیان بھی اختلاط کے بعد کیا ہے۔

② یہ روایت ’’ضعیف‘‘ ہونے کے ساتھ ساتھ عام بھی ہے، جبکہ رکوع والے رفع الیدین کی دلیل خاص ہے، لہٰذا خاص کو عام پر مقدم کیا جائے گا۔

امام ابنِ حبان رحمہ اللہ اس حدیث کے بارے میں لکھتے ہیں: **هذا خبر عوّل عليه أهل العراق فى نفى رفع اليدين فى الصّلاة عند الرّكوع وعند رفع الرّأس منه ، وليس فى الخبر : ثمّ لم يعد ، وهذه الزّيادة لقّنها أهل الكوفة يزيد بن أبى زياد فى آخر عمره ، فتلقّن ، كما قال سفيان بن عيينة : انّه سمعه قديما بمكّة يحدّث بهذا الحديث باسقاط هذه اللّفظة ، ومن لم يكن العلم صناعته لا يذكر له الاحتجاج بما يشبه هذا من الأخبار الواهية .**

’’یہ وہ حدیث ہے جس پر اہل عراق نے نماز میں رکوع جاتے اور رکوع سے سر اٹھاتے وقت رفع الیدین کی نفی میں اعتماد کیا ہے، حالانکہ حدیث میں **ثمّ لم يعد** (پھر دوبارہ نہ کیا) کے الفاظ نہیں تھے، یہ زیادت یزید بن ابی زیاد کو اس کی آخری عمر میں اہل کوفہ نے تلقین کی تھی، اس نے اسے قبول کر لیا، جیسا کہ امام سفیان بن عیینہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے پہلے دور میں مکہ میں اسے یہی حدیث بیان کرتے ہوئے سنا تھا، اس وقت انہوں نے یہ الفاظ بیان نہیں کیے تھے، جو آدمی فنِّ حدیث کا اہل نہ ہو، اس کے لیے اس طرح کی ضعیف روایات کو بطورِ دلیل ذکر کرنا درست نہیں ہے۔‘‘ (المجروحین لابن حبان: ۱۰۰/۳)

خطیب بغدادی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: **ذكر ترك العود الى الرّفع ليس بثابت عن النّبىّ صلّى اللّٰه عليه وسلّم ، فكان يزيد بن أبى زياد يروى هذا الحديث قديما ولا يذكره ، ثمّ تغيّر وساء حفظه ، فلقّنه الكوفيّون ذلک ، فتلقّنه ووصله بمتن الحديث .**

’’(تکبیر تحریمہ میں رفع الیدین کے بعد) دوبارہ رفع الیدین کو چھوڑنا نبی کریم ﷺ سے ثابت نہیں، یزید

بن ابی زیاد اس حدیث کو پہلے پہل بیان کرتا تھا، لیکن ان الفاظ کو ذکر نہیں کرتا تھا، پھر اس کا حافظہ خراب ہو گیا تو کوفیوں نے اس کو ان الفاظ کی تلقین کی، اس نے قبول کر لی اور اسے متن کے ساتھ ملا دیا۔" (المدرج : ٣٦٩/١)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں: واتّفق الحفّاظ علی أنّ قوله : ثمّ لم یعد ، مدرج فی الخبر من قول یزید بن أبی زیاد .... "حفاظ محدثین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ ثمّ لم یعد کے الفاظ اس حدیث میں مدرج ہیں، یہ یزید بن ابی زیاد کی اپنی بات ہے۔" (التلخیص الحبیر : ٢٢١/١)

دلیل نمبر ⑥ : سیدنا براء بن عازب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: رأیت رسول اللّٰه صلّی اللّٰه علیه وسلّم رفع یدیه حین افتتح الصّلاة ، ثمّ لم یرفعهما حتّی انصرف .

"میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا، آپ نے جب نماز شروع کی تو رفع الیدین کیا، پھر سلام پھیرنے تک دوبارہ نہیں کیا۔" (سنن ابی داؤد : ٧٥٢، مسند ابی یعلی : ١٦٨٩، شرح معانی الآثار : ٢٢٤/١)

تبصرہ : اس کی سند "ضعیف" ہے، اس کا راوی ابن ابی لیلیٰ جمہور کے نزدیک "ضعیف" ہے، اس حدیث کے تحت امام ابوداؤد فرماتے ہیں: هذا الحدیث لیس بصحیح . "یہ حدیث صحیح نہیں۔"

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ابن أبی لیلیٰ کان سیّء الحفظ . "ابن ابی لیلیٰ خراب حافظہ والا تھا۔" (العلل : ١٤٣/١)

امام بیہقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ومحمّد بن عبدالرّحمٰن بن أبی لیلیٰ لا یحتجّ بحدیثه ، وهو أسوأ حالاً عند أهل المعرفة بالحدیث من یزید بن أبی زیاد . "محمد بن عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ کی حدیث سے حجت نہیں لی جائے گی، اس کی حالت محدثین کے نزدیک یزید بن ابی زیاد سے بھی بری تھی۔" (معرفة السنن والآثار للبیهقی : ٤١٩/٢)

دلیل نمبر ⑦ : سیدنا براء بن عازب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: کان رسول اللّٰه صلّی اللّٰه علیه وسلّم اذا افتتح الصّلاة رفع یدیه حتّی یحاذی منکبیه ، لا یعود یرفعهما حتّی یسلّم من صلاته . "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز شروع کرتے تو کندھوں کے برابر رفع الیدین کیا، دوبارہ آپ رفع الیدین نہیں کرتے تھے، حتی کی نماز سے سلام پھیر دیتے۔" (مسند ابی حنیفة لابی نعیم : ص ١٥٦)

تبصرہ : یہ سند سخت ترین "ضعیف" ہے، اس میں ابوحنیفہ نعمان بن ثابت باجماعِ محدثین "ضعیف" ہیں

،ان کے حق میں کسی ''ثقہ'' امام سے باسندِ ''صحیح'' کوئی ادنیٰ کلمہ توثیق بھی ثابت نہیں، مدعی پر دلیل لازم ہے۔

دلیل نمبر ⑧ : سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: **صلّیت مع النبیّ صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم ومع أبی بکر ومع عمر ، فلم یرفعوا أیدیھم الّا عند التّکبیرۃ الأولیٰ فی افتتاح الصّلاۃ .** ''میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم، ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ نماز پڑھی، انہوں نے صرف نماز کے شروع میں پہلی تکبیر کے وقت رفع الیدین کیا۔'' (سنن الدارقطنی : ۲۹۵/۱، ح : ۱۱۲۰، واللفظ لہ ، مسند ابی یعلیٰ : ۵۰۳۹)

تبصرہ : یہ روایت سخت ترین ''ضعیف'' ہے، کیونکہ ① اس کا راوی محمد بن جابر یمامی جمہور محدثین کے نزدیک ''ضعیف'' ہے، حافظ ہیثمی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: **وھو ضعیف عند الجمھور .**

''یہ جمہور محدثین کے نزدیک ضعیف ہے۔'' (مجمع الزوائد : ۳٤٦/۵)

اس کو امام احمد بن حنبل ، امام بخاری ، امام یحییٰ بن معین ، امام عمرو بن علی الفلاس ، امام نسائی ، امام جوزجانی، امام دارقطنی وغیرہم رحمہم اللہ نے مجروح و''ضعیف'' کہا ہے۔

امام دارقطنی اس حدیث کو ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں: **تفرّد بہ محمّد بن جابر الیمامیّ وکان ضعیفا .** ''اس کو بیان کرنے میں محمد بن جابر یمامی راوی متفرد ہے اور وہ ضعیف تھا۔'' (سنن الدارقطنی : ۲۹۵/۱)

امام اہل سنت احمد بن حنبل رحمہ اللہ فرماتے ہیں: **ھذا ابن جابر ایش حدیثہ ؟ ھذا حدیث منکر ، أنکرہٗ جدًّا .** ''یہ محمد بن جابر ہے، اس کی حدیث کیا ہے؟ یہ ایک منکر حدیث ہے، میں اسے سخت منکر سمجھتا ہوں۔'' (العلل : ۱٤٤/۱)

امام عقیلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: **لا یتابع محمد بن جابر علی ھذا الحدیث ولا علی عامّۃ حدیثہ .** ''محمد بن جابر کی نہ اس حدیث میں متابعت کی گئی ہے اور نہ ہی عام احادیث پر۔'' (الضعفاء : ٤٢/٤)

امام حاکم رحمہ اللہ نے اس کی سند کو ''ضعیف'' کہا ہے۔ (معرفۃ السنن والآثار للبیھقی : ٤٢٤/۲)

حافظ ابن الجوزی فرماتے ہیں: **ھذا حدیث لا یصحّ عن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلّم .**

''یہ حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں۔'' (الموضوعات : ۹٦/۲)

امام ابوحاتم الرازی رحمہ اللہ کہتے ہیں: **وحدیثہ عن حمّاد ، فیہ اضطراب .** ''اس کی حدیث حماد بن ابی سلیمان سے مضطرب ہوتی ہے۔'' (الجرح والتعدیل : ۲۱۹/۷)

یہ روایت بھی اس نے اپنے استاذ حماد سے بیان کی ہے، لہٰذا یہ جرح مفسر ہے۔

تنبیہ : محمد بن جابر یمامی کہتے ہیں: سرق أبو حنیفة کتب حمّاد منّی .

''ابو حنیفہ نے مجھ سے حماد بن ابی سلیمان کی کتابیں چوری کیں۔'' (الجرح والتعدیل : ٨/٤٥٠)

اب یہاں عجیب الجھن پیدا ہوگئی ہے کہ اگر محمد بن جابر یمامی ''ثقہ'' ہے تو امام صاحب پر چوری کا الزام عائد ہوتا ہے اور اگر امام صاحب کو بچائیں تو اس روایت سے ہاتھ دھونے پڑیں گے!

② اگر یہ حدیث ''صحیح'' ہے تو بعض الناس قنوتِ وتر اور عیدین میں رفع الیدین کیوں کرتے ہیں؟

③ یہ روایت ''ضعیف'' ہونے کے ساتھ ساتھ عام ہے، جبکہ رکوع جاتے اور رکوع سے سر اٹھاتے وقت رفع الیدین کے ثبوت والی احادیث خاص ہیں، لہٰذا خاص کو عام پر مقدم کیا جائے گا۔

اتنی سی بات بعض لوگ سمجھنے سے قاصر ہیں!

④ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے رفع الیدین کرنا ''صحیح'' سند سے ثابت ہے۔ (السنن الکبریٰ للبیهقی : ٢/٧٣)

دلیل نمبر ٣ : قال الامام ابن أبی شیبة : حدّثنا ابن فضیل عن عطاء عن سعید بن جبیر عن ابن عبّاس قال: ترفع الأیدی فی سبعة مواطن : اذا قام الی الصّلاة ، واذا رأی البیت ، وعلی الصّفا والمروة ، وفی عرفات ، وفی جمع وعند الجمار .

''سیدنا ابنِ عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ سات مقامات پر رفع الیدین کیا جاتا ہے: جب نماز کے لیے کھڑا ہو، جب بیت اللہ کو دیکھے، کوہِ صفا اور کوہِ مروہ پر، عرفات میں، مزدلفہ میں اور جمرات کے پاس۔''

(مصنف ابن ابی شیبة : ٢/٢٣٥۔٢٣٦)

تبصرہ : ① سیدنا ابنِ عباس رضی اللہ عنہما کے اس قول کی سند ''ضعیف'' ہے، کیونکہ عطاء بن السائب (حسن الحدیث) ''مختلط'' ہیں اور ابنِ فضیل نے ان سے اختلاط کے بعد روایت لی ہے۔

امام یحییٰ بن معین رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ عطاء بن السائب راوی ''مختلط'' ہیں۔ (الجرح والتعدیل : ٦/٣٣٤)

امام احمد بن حنبل، امام ابو حاتم الرازی (الجرح والتعدیل : ٦/٣٣٤) اور امام دارقطنی (العلل : ٥/١٨٦، ٨/٢٨٨) رحمہم اللہ نے ان کو ''مختلط'' قرار دیا ہے۔

امام ابو حاتم الرازی فرماتے ہیں: وما رویٰ عنه ابن فضیل ، ففیه غلط واضطراب .

''عطاء بن السائب سے جو کچھ ابنِ فضیل نے روایت کیا ہے، اس میں غلطیاں اور اضطراب ہے۔''

(الجرح والتعدیل : ٦/٣٣٤)

یہ جرح مفسر ہے، لہٰذا سند ''ضعیف'' ہے، اس قول میں قنوتِ وتر اور عیدین کے رفع الیدین کا بھی ذکر نہیں ہے، وہ کیوں کیا جاتا ہے؟

② ابوحمزہ (عمران بن ابی عطاء القصاب ثقة عند الجمہور) کہتے ہیں:

رأيت ابن عبّاس يرفع يديه اذا افتتح الصّلاة واذا ركع واذا رفع رأسه من الرّكوع .

''میں نے سیدنا ابنِ عباس رضی اللہ عنہما کو نماز شروع کرتے، رکوع کو جاتے اور رکوع سے سر اٹھاتے وقت رفع الیدین کرتے ہوئے دیکھا۔'' (مصنف ابن ابی شیبة : ١/٢٣٩، وسندہٗ حسن)

اس روایت سے دو باتیں ثابت ہوتی ہیں:

(ا) سیدنا ابنِ عباس رضی اللہ عنہما نماز میں رفع الیدین کے قائل تھے۔

(ب) نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد آپ کا رفع الیدین کرنا اس بات کی واضح دلیل ہے کہ یہ منسوخ نہیں ہے۔

فائدہ : یہ روایت مرفوعاً بھی مروی ہے، لیکن اس کی سند بھی ''ضعیف'' ہے، اس میں ابنِ ابی لیلیٰ راوی جمہور محدثین کے نزدیک ''**ضعيف ، سيّئ الحفظ**'' ہے، حافظ ابنِ حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

ضعيف ، سيّئ الحفظ . ''ضعیف اور خراب حافظے والا ہے۔'' (التلخيص الحبير : ٣/٢٢)

حافظ ابنِ کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں: **محمّد بن عبد الرّحمن بن أبي ليلىٰ سيّء الحفظ ، لا يحتج بّه عند أكثرهم .** ''ابنِ ابی لیلیٰ خراب حافظے والا ہے، اکثر محدثین کے نزدیک قابلِ حجت نہیں۔'' (تحفة الطالب : ٣٤٥)

امام طحاوی حنفی نے اس کو ''**مضطرب الحديث جداً**'' کہا ہے۔ (مشكل الآثار للطحاوی : ٣/٢٢٦)

انور شاہ کشمیری دیوبندی صاحب کہتے ہیں: **فهو ضعيف عندی كما ذهب اليه الجمهور .**

''وہ میرے نزدیک بھی ضعیف ہے، جیسا کہ جمہور کا مذہب ہے۔'' (فيض الباری : ٣/١٦٨)

② اس کی سند میں الحکم بن عتیبہ راوی ''مدلس'' ہے جو کہ ''عن'' سے روایت کر رہا ہے۔ امام عینی حنفی نے بھی اس کو ''مدلس'' کہا ہے۔ (عمدة القاری : ٢١/٢٤٨) نیز دیکھیں (اسماء المدلسين للسيوطی : ٩٦)

دلیل نمبر ⑩ : عباد بن زبیر سے روایت ہے: **انّ رسول اللّٰه صلّی اللّٰه علیه وسلّم کان اذا افتتح الصّلاة رفع یدیه فی أوّل الصّلاة ، ثمّ لم یرفعهما فی شئ حتّی یفرغ .**

''رسول اللہ ﷺ جب نماز شروع فرماتے تو رفع الیدین فرماتے، پھر فارغ ہونے تک کسی بھی رکن میں رفع الیدین نہیں فرماتے تھے۔'' (الخلافیات للبیهقی ، نصب الرایة للزیلعی : ٤٠٤/١)

تبصرہ : یہ حدیث موضوع (من گھڑت) ہے، حافظ ابنِ قیم رحمہ اللہ لکھتے ہیں: **وهو موضوع .** ''یہ حدیث موضوع (من گھڑت) ہے۔'' (المنار المنیف : ص ١٣٩)

① عباد تابعی کا تعارف مطلوب ہے کہ یہ کون ہے؟ عباد بن زبیر کے نام سے کئی راوی ہیں، اس سے عباد بن عبداللہ بن زبیر مراد لینا غلط ہے۔

② محمد بن اسحاق راوی کا تعین مطلوب ہے۔

③ اس کی سند میں حفص بن غیاث ''مدلس'' ہیں، جو ''عن'' سے روایت کر رہے ہیں، سماع کی تصریح ثابت نہیں، لہٰذا سند ''ضعیف'' ہے۔

④ بعض الناس قنوتِ وتر اور عیدین میں رفع الیدین کیوں کرتے ہیں؟

⑤ یہ موضوع (من گھڑت) روایت عام ہے، جبکہ رکوع کو جاتے اور سر اٹھاتے وقت رفع الیدین کی احادیث خاص ہیں، تعارض کے وقت خاص کو عام پر مقدم کیا جاتا ہے۔

دعوتِ فکر

دینی بھائیو اور بہنو! ہم نے جانبین کے دلائل پوری دیانت کے ساتھ ذکر کر دیئے ہیں، اب آپ کا دینی فریضہ ہے کہ دونوں طرف کے دلائل کو غیر جانبداراری سے بنظرِ انصاف پڑھیں، پھر اللہ تعالیٰ سے ڈر کر فیصلہ کریں کہ حق کس کے ساتھ ہے؟ جو لوگ اللہ رب العالمین کے عذاب سے بے خوف و خطر ہو کر سنتِ رسول ﷺ کی دشمنی میں یہ کہتے ہیں کہ رفع الیدین کا حکم دکھاؤ، رفع الیدین کی احادیث کو اللہ و رسول نے ''صحیح'' کہا ہو، دس کا اثبات اور اٹھارہ کی نفی دکھاؤ، رسول اللہ ﷺ نے خود اس کو سنت کہا ہو، وغیرہ وغیرہ۔۔۔۔۔

ایسے لوگ علم اور عقل و نقل سے بالکل عاری ہیں۔ مومنین کے راستہ کو چھوڑ کر کسی اور راستے کے راہی ہیں۔

نمازِ مغرب سے پہلے دو رکعتیں

ایک سنتِ مظلومہ

غلام مصطفٰے ظہیر امن پوری

نمازِ مغرب سے پہلے دو رکعت نفل ادا کرنا رسولِ کریم ﷺ کی قولی، فعلی اور تقریری سنت ہے، اس کے ثبوت پر احادیثِ صحیحہ ملاحظہ ہوں:

قولی احادیث

دلیل نمبر ①: سیدنا ابوسعید عبداللہ بن مغفل مزنی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: **صلّوا قبل صلاة المغرب ، قال في الثّالثة : لمن شاء ، كراهية أن يتّخذها النّاس سنّة .**

''نمازِ مغرب سے پہلے (دو رکعتیں) پڑھو، (ایسا دو بار فرمایا)، تیسری بار فرمایا، جو چاہے (پڑھے)، اس بات کو ناپسند کرتے ہوئے کہ کہیں لوگ اس (نماز) کو (لازمی) سنت نہ بنا لیں۔''

(صحیح بخاری: ۱۵۷/۱، ح: ۱۱۸۳، سنن ابی داوٗد: ۱۲۸۱)

حافظ ابنِ حجر رحمہ اللہ (۷۷۳۔۸۵۲ھ) لکھتے ہیں: **لم يرد نفي استحبابها لأن لا يمكن أن يأمر بما لا يستحبّ ، بل هذا الحديث من أقوى الأدلّة على استحبابها .**

''(اس حدیث سے) آپ ﷺ کی مراد مغرب سے پہلے دو رکعتوں کے استحباب کی نفی نہیں، اس لیے کہ یہ ناممکن بات ہے کہ نبی کریم ﷺ ایک چیز کے بارے میں حکم فرمائیں اور وہ (کم از کم) مستحب (بھی) نہ ہو، بلکہ یہ حدیث تو مغرب سے پہلے دو رکعتوں کے استحباب پر قوی ترین دلیلوں میں سے ایک ہے۔''

(فتح الباری فی شرح صحیح البخاری: ۶۰/۳)

دلیل نمبر ②: سیدنا عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ سے ہی سنن ابی داوٗد (۱۸۲/۱، ح: ۱۲۸۱، وسندہٗ حسن) میں یہی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: **صلّوا قبل المغرب ركعتين ...**

''نمازِ مغرب سے پہلے دو رکعتیں پڑھو۔''

دلیل نمبر ③: سیدنا عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: **بين كلّ أذانين صلاة ، ثلاثاً ، لمن شاء .**

”(رسول اللہ ﷺ نے تین بار فرمایا) ہر دو اذانوں کے درمیان نماز ہے، تیسری بار فرمایا، اس کے لیے جو پڑھنا چاہے۔“ (صحیح بخاری : ۱/۸۷، ح : ٦٢٤، صحیح مسلم : ۱/۲۸۷، ح : ۸۳۸، سنن ابی داوٗد : ۱/۱۸۲، ح : ۱۲۸۳، سنن ترمذی : ۱/٤٥، ح : ۱۸۵، سنن ابن ماجه : ۱/۸۲، ح : ۱۱٦۲، سنن نسائی : ۲/۲۸، ح : ٦۸۲، مسند الامام احمد : ٤/۸٦)

پہلی اذان سے مراد اذان اور دوسری اذان سے مراد اقامت ہے۔

مغرب سے پہلے دو رکعت نفل کے جواز پر یہ تیسری قولی حدیث ہے، کیونکہ اس میں بلا استثنا پڑھنے کی اجازت دی گئی ہے، محدثین کرام رحمہم اللہ نے اس حدیث سے یہی مسئلہ ثابت کیا ہے۔

دلیل نمبر ④ : سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: **ما من صلاة مفروضة الّا وبين يديها ركعتان .**

”کوئی فرضی نماز ایسی نہیں ہے، جس سے پہلے دو رکعتیں نہ ہوں۔“

(سنن الدارقطنی : ۱/۲٦۷، ح : ۱۰۳٤، وسندهٗ حسنٌ)

اس حدیث کو امام ابنِ حبان رحمہ اللہ (۲٤۵۵) نے ”صحیح“ کہا ہے۔

اس حدیث میں بھی بلا استثنا ہر فرض نماز سے پہلے دو رکعتوں کا جواز ثابت ہوتا ہے۔

فعلی حدیث

دلیل نمبر ⑤ : سیدنا عبداللہ مزنی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

انّ رسول الله صلّى الله عليه وسلّم صلّى قبل المغرب ركعتين .

”رسول اللہ ﷺ نے (خود) مغرب سے پہلے دو رکعتیں ادا فرمائیں۔“

(صحیح ابن حبان : ۱۵۸۸، قیام اللیل للمروزی : ٦٤، وسندهٗ صحیحٌ)

اس روایت کے بارے میں علامہ مقریزی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: **هذا اسناد صحيح على شرط مسلم .** ”یہ سند امام مسلم کی شرط پر صحیح ہے۔“ (اختصار قیام اللیل للمقریزی : ٦٤)

تقریری احادیث

دلیل نمبر ⑥ : **قال مرثد بن عبد اللّٰه اليزنيّ : أتيت عقبة بن عامر الجهنيّ، فقلت : ألا أعجبك من أبي تميم ؟ يركع ركعتين قبل صلاة المغرب ، فقال عقبة : انّا كنّا نفعله على عهد النبيّ صلّى الله عليه وسلّم ، فقلت : فما يمنعك الآن ؟ قال : الشغل .**

”مرثد بن عبداللہ یزنی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں (صحابیٔ رسول) سیدنا عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی، کیا میں آپ کو ابوتمیم رحمہ اللہ (تابعی) کی وجہ سے تعجب میں نہ ڈالوں؟ وہ مغرب سے پہلے دو رکعتیں پڑھتے ہیں، اس پر سیدنا عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ نے فرمایا، ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہدِ مبارک میں یہ (مغرب سے پہلے دو رکعتوں کا اہتمام) کرتے تھے، میں نے عرض کی، اب آپ کو کس چیز نے روک دیا ہے؟ فرمایا، مصروفیت نے۔“ (صحیح بخاری: ۱۵۸/۱، ح: ۱۱۸٤)

علامہ سندھی حنفی (م ۱۱۳۹ھ) لکھتے ہیں: والظّاهر أنّ الرّكعتين قبل صلاة المغرب جائزتان، بل مندوبتان، ولم أر للمانعين جواباً شافياً.

”ظاہر ہے کہ مغرب سے پہلے دو رکعتیں جائز، بلکہ مستحب ہیں، میں منع کرنے والوں کے پاس کوئی شافی جواب نہیں پا سکا۔“ (حاشية السندي على النسائي: ۲۸۳/۱، ۲۸/۲)

علامہ محمد طاہر پٹنی حنفی (م ۹۸٦ھ) فرماتے ہیں: الأصحّ أنّه يستحبّ الرّكعتان قبله وعليه السّلف. ”صحیح ترین بات یہ ہے کہ مغرب سے پہلے دو رکعتیں مستحب ہیں اور ان پر سلف صالحین کا عمل رہا ہے۔“ (تكملة مجمع بحار الانوار: ۱۰٦/٤)

حافظ ابنِ حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں: وفيه ردّ على قول القاضي أبي بكر بن العربيّ: لم يفعلهما أحد بعد الصّحابة، لأنّ أبا تميم تابعيّ، وقد فعلهما ...

”اس حدیث میں قاضی ابوبکر بن العربی کے اس قول کا رد ہوتا ہے کہ یہ دو رکعتیں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بعد کسی نے نہیں پڑھیں، کیونکہ ابوتمیم رحمہ اللہ تابعی ہیں اور انہوں نے یہ دو رکعتیں ادا کی ہیں۔“ (فتح الباری: ٦۰/۲)

دلیل نمبر ⑦: قال أنس بن مالك: كنّا نصلّي على عهد رسول الله صلّى الله عليه وسلّم ركعتين بعد غروب الشّمس قبل صلاة المغرب، فقلت له: أكان رسول الله صلّى الله عليه وسلّم صلّاهما؟ قال: كان يرانا نصلّيهما، فلم يأمرنا ولم ينهنا.

”سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہدِ مبارک میں غروب آفتاب کے بعد اور نمازِ مغرب سے پہلے دو رکعتیں پڑھتے تھے، (راوی مختار بن فلفل تابعی رحمہ اللہ کہتے ہیں) میں نے سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے عرض کی، کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ دو رکعتیں پڑھتے تھے؟ تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں یہ دو رکعتیں پڑھتے دیکھتے تھے، لیکن نہ ہمیں (واجبی) حکم دیتے تھے، نہ ہی منع کرتے تھے۔“ (صحیح مسلم: ۲۷۸/۱، ح: ۸۳٦)

دلیل نمبر ⑧ : سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:
صلّیت الرّکعتین قبل المغرب علی عھد رسول اللّٰہ صلّی اللّٰہ علیه وسلّم .
''میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں مغرب سے پہلے دو رکعتیں پڑھیں۔''
(سنن ابی داوٗد : ۱/۱۸۹، ح : ۱۲۸۲، وسندہٗ صحیح)

دلیل نمبر ⑨ : **عن أنس بن مالک ، قال : کان المؤذّن اذا أذّن قام ناس من أصحاب النبیّ صلّی اللّٰہ علیه وسلّم یبتدرون السّواری حتّٰی یخرج النبیّ صلّی اللّٰہ علیه وسلّم وھم کذلک یصلّون رکعتین قبل المغرب ، ولم یکن بین الأذان والاقامة شیٔ .**
''سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب مؤذن اذانِ (مغرب) کہتا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے (کبار) صحابہ کرام ستونوں کی طرف ایک دوسرے سے سبقت کرتے ، یہاں تک کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لاتے ، وہ (صحابہ) اسی حالت میں مغرب سے پہلے دو رکعتیں پڑھتے ، اذان اور اقامت کے درمیان کثیر وقت نہیں ہوتا تھا۔'' (صحیح بخاری : ۱/۸۷، ح : ٦٢٥، صحیح مسلم : ۱/۲۸۷، ح : ۸۳۷)
صحیح مسلم میں یہ الفاظ زائد بیان ہوئے ہیں: **حتّٰی انّ الرّجل الغریب لیدخل المسجد، فیحسب أنّ الصّلاة قد صلّیت ، من کثرة من یصلّیھا .**
''یہاں تک کہ کوئی اجنبی (مسافر) مسجد میں داخل ہوتا تو وہ مغرب سے پہلے دو نفل پڑھنے والوں کی کثرت کو دیکھ کر یہ خیال کرتا کہ نمازِ مغرب پڑھی جا چکی ہے۔''

دلیل نمبر ⑩ : زر بن حبیش کہتے ہیں: **انّ أبیّ بن کعب وعبد الرّحمٰن ابن عوف کانا یصلّیان قبل المغرب رکعتین رکعتین .**
''سیدنا ابی بن کعب اور سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہما دونوں مغرب کی نماز سے پہلے دو رکعتیں ادا فرماتے تھے۔'' (شرح مشکل الآثار للطحاوی : ۱٤/۱۲۱، وسندہٗ حسنٌ)

دلیل نمبر ⑪ : عبداللہ بن ابی الہذیل کہتے ہیں: **دعوت رجلاً من أصحاب النبیّ صلّی اللّٰہ علیه وسلّم الی منزلی ، فلمّا أذّن المؤذّن المغرب ، فصلّٰی ، فسألت عن ذلک ، فقال : کان أبیّ بن کعب یصلّیھما .**
''میں نے ایک صحابیٔ رسول رضی اللہ عنہ کو اپنے گھر میں دعوت دی ، جب مؤذن نے مغرب کی اذان کہی تو

انہوں نے دو رکعتیں پڑھیں، میں نے ان سے اس بارے میں دریافت کیا تو انہوں نے فرمایا، سیدنا ابی بن کعب رضی اللہ عنہ یہ دو رکعتیں پڑھا کرتے تھے۔'' (مسند المسدد بحواله المطالب العالية لابن حجر : ٦٢١، وسندهٗ صحيحٌ)

دلیل نمبر ⑫ : امام حسن بصری رحمہ اللہ سے مغرب سے پہلے دو رکعتوں کے بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا: **حسنتان جميلتان لمن أراد الله بهما .**

''جو آدمی ان دو رکعتوں کو اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے ادا کرے، اس کے لیے بہت بہترین اور اچھی ہیں۔'' (مصنف ابن ابی شيبة : ٣٥٦/٢، وسندهٗ صحيحٌ)

دلیل نمبر ⑬ : حکم بن عتیبہ رحمہ اللہ کہتے ہیں:

رأيت ابن أبي ليلٰى صلّى ركعتين قبل المغرب . ''میں نے ابن اَبی لیلیٰ کو دیکھا کہ انہوں نے مغرب سے پہلے دو رکعتیں ادا کیں۔'' (مصنف ابن ابی شيبة : ٣٥٥/٢، وسندهٗ صحيحٌ)

دلیل نمبر ⑭ : امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: **وقال أحمد واسحاق: ان صلّاهما فحسن ، وهذا عندهما على الاستحباب .**

''امام احمد بن حنبل اور امام اسحاق بن راہویہ رحمہما اللہ نے کہا ہے، اگر آدمی یہ دو رکعتیں ادا کر لے تو اچھا ہے، یہ دو رکعتیں ان کے نزدیک مستحب ہیں۔'' (جامع ترمذی، تحت حدیث : ١٨٥)

قارئین کرام! ان صحیح احادیث اور آثارِ صحیحہ سے نمازِ مغرب سے پہلے دو رکعتوں کا استحباب ثابت ہوتا ہے، رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی میں ان پر عمل ہونا چاہیے، ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ **وما آتاكم الرّسول فخذوه وما نهاكم عنه فانتهوا** ﴾ (الحشر : ٧)

''جو تمہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دے دیں، اسے پکڑ لو، اور جس سے وہ منع فرما دیں، اس سے رک جاؤ۔''

جو لوگ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس پیاری سنت سے منع کرتے ہیں، ان کو اللہ تعالیٰ سے ڈرنا چاہیے اور آج سے ہی اس سنت پر عمل کرنا چاہیے، سنت کی پیروی ہی محبتِ رسول کی حقیقی علامت ہے۔

اب ہم انتہائی اختصار کے ساتھ ان لوگوں کے دلائل کا علمی اور تحقیقی جائزہ پیش کرتے ہیں، جو ان دو رکعتوں کے استحباب کے قائل نہیں ہیں اور محض اپنے امام کے بے سند اور ''ضعیف'' قول کے مقابلہ میں ان احادیثِ صحیحہ و آثار کی تاویل یا رد کرتے ہیں۔

مانعین کے دلائل اور ان کا جائزہ

دلیل نمبر ①: **عن طاؤس قال : سئل ابن عمر عن الرّکعتین قبل المغرب ، فقال : ما رأیت أحداً علی عهد رسول اللّٰه صلّی اللّٰه علیه وسلّم یصلّیهما ، ورخّص فی الرّکعتین بعد العصر .**

''طاؤس کہتے ہیں کہ سیدنا ابنِ عمر رضی اللہ عنہما سے مغرب سے پہلے دو رکعتوں کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا، میں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں کسی کو یہ دو رکعتیں پڑھتے نہیں دیکھا، سیدنا ابنِ عمر رضی اللہ عنہما نے عصر کے بعد دو رکعتوں پڑھنے کی اجازت دی۔'' (سنن ابی داوٗد : ۱/۱۸۲، ح : ۱۲۸٤، مسند عبد بن حمید : ق ۱۰۵، ح : ۸۰٤ مختصرا ، السنن الکبرٰی للبیهقی : ۲/٤۷٦، وسندهٗ حسنٌ)

تبصرہ : یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ ابنِ عمر رضی اللہ عنہما نے مغرب سے پہلے کسی کو نفل نماز پڑھتے نہیں دیکھا، جبکہ سیدنا انس رضی اللہ عنہ وغیرہ نے دیکھا ہے، حجت اس کی بات ہوگی، جس نے دیکھا ہے نہ کہ اس کی بات جس نے نہیں دیکھا، یہ مسلمہ قاعدہ ہے کہ مثبت اور منفی میں تعارض ہو تو مثبت کو ترجیح ہوتی ہے۔

امام بیہقی رحمہ اللہ ابنِ عمر رضی اللہ عنہما کے اس قول کو ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

القول فی مثل هذا قول من شاهد دون من لم یشاهد ...

''اس طرح کے (تعارض) میں اس شخص کی بات حجت ہوگی، جس نے مشاہدہ کیا ہے، نہ کہ اس کی جس نے مشاہدہ نہیں کیا۔''

تنبیہ : یہاں پر بطورِ فائدہ عرض ہے کہ بعض الناس اس روایت کو پیش کرتے وقت اس کا آخری حصہ ترک کر دیتے ہیں کہ: ''سیدنا ابنِ عمر رضی اللہ عنہما نے عصر کے بعد دو رکعتیں پڑھنے کی اجازت دی'' کیونکہ یہ ان کے خلاف ہے، یہ بدترین خیانت اور دین میں تحریف ہے۔

فائدہ : قتادہ رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں، میں نے امام سعید بن مسیّب رحمہ اللہ سے کہا کہ سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ مغرب سے پہلے دو رکعتیں پڑھتے تھے، انہوں نے کہا، وہ تو ان دو رکعتوں سے منع کرتے تھے، میں نے سعد بن مالک رضی اللہ عنہ کے سوا کسی صحابی کو یہ دو رکعتیں پڑھتے نہیں دیکھا۔'' (مشکل الآثار للطحاوی : ۱٤/۱۲۲)

اس کی سند ''ضعیف'' ہے، اس کے راوی ہارون بن کامل کی توثیق نہیں مل سکی، ابنِ یونس مصری نے اسے

اپنی تاریخ میں بغیر توثیق کے ذکر کیا ہے۔

دلیل نمبر ② : قال عبدالرّزّاق عن الثّوری عن منصور عن ابراهیم ، قال : لم یصلّ أبوبکر ولا عمر ولا عثمان الرّکعتین قبل المغرب .

''ابراہیم نخعی کہتے ہیں کہ سیدنا ابوبکر، عمر اور عثمان رضی اللہ عنہم نے مغرب سے پہلے دو رکعتیں نہیں پڑھیں۔''

(مصنف عبدالرزاق : ۴۳۵/۲، ۳۹۸۵)

تبصرۃ : یہ روایت کئی وجوہ سے ''ضعیف'' ہے:

(ا) امام عبدالرزاق بن ہمام صنعانی ''مدلس'' ہیں اور سماع کی تصریح ثابت نہیں ہے۔

(ب) امام ابراہیم نخعی سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی وفات اور سیدنا عمر وعثمان رضی اللہ عنہما کی شہادت کے بعد پیدا ہوئے ہیں، لہٰذا یہ روایت سخت ''منقطع'' ہے، ''منقطع'' سے حجت لینا صحیح ہیں۔

فائدہ : المطالب العالیه لابن حجر (۶۲۳) میں ہے:

قال مسدّد : حدّثنا یحیٰی عن سفیان ، حدّثنی منصور عن أبیه ، قال ....

منصور کے باپ کے حالات نہیں مل سکے، لہٰذا سند مردود ہے۔

دلیل نمبر ③ : عن حمّاد قال : سألت ابراهیم عن الصّلاۃ قبل المغرب ، فنهانی عنها وقال : انّ النّبیّ صلّی اللّٰه علیه وسلّم وأبابکر وعمر لم یصلّوها .

''حماد بن ابی سلیمان سے روایت ہے، کہتے ہیں، میں نے امام ابراہیم نخعی سے مغرب سے پہلے نماز کے بارے میں سوال کیا تو آپ نے مجھے اس سے منع فرما دیا اور کہا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور سیدنا ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما نے یہ نماز نہیں پڑھی۔'' (کتاب الآثار للامام ابی حنیفة بروایة محمد : ۳۲)

تبصرہ : یہ موضوع (من گھڑت) روایت ہے، اس کا راوی محمد بن حسن شیبانی بالاتفاق ''ضعیف'' اور ''کذاب'' ہے، اسے امام ابوزرعہ رحمہ اللہ وغیرہ نے مجروح قرار دیا ہے۔

امام یحییٰ بن معین فرماتے ہیں: محمّد جهمیّ کذّاب . ''محمد (بن حسن شیبانی) جہمی (گمراہ فرقے کا) اور کذاب (پرلے درجے کا جھوٹا) ہے۔'' (الضعفاء للعقیلی : ۵۲/۴، وسندهٔ صحیح)

نیز فرماتے ہیں: لیس بشیء . ''یہ کچھ بھی نہیں ہے۔'' (تاریخ ابن معین : ۱۷۷)

انہوں نے محمد بن حسن کو ''ضعیف'' بھی قرار دیا ہے۔(الکامل لابن عدی: ۱۷٤/٦، وسندہٗ صحیح)

مزید فرماتے ہیں: **اجتمع النّاس علی طرح هؤلاء النفر ، لیس یذاکر بحدیثهم ، ولا یعتمد بهم ، منهم محمّد بن الحسن ...** ''لوگوں (محدثین) کا ان راویوں کو ترک کرنے پر اتفاق ہوگیا ہے، ان کی احادیث کا مذاکرہ نہیں کیا جاتا اور نہ ہی ان پر اعتماد کیا جاتا ہے، ان (متروک) راویوں میں سے ایک محمد بن حسن ہے۔'' (الکامل لابن عدی: ۱۷۵/٦، وسندہٗ صحیح)

امام اہل سنت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ فرماتے ہیں: **لا أروی عنه شیئا .** ''میں اس سے کوئی روایت نہیں لیتا۔'' (الجرح والتعدیل: ۲۷/۷، وسندہٗ صحیح)

رسول اللہ ﷺ کی پیاری سنت کے خلاف ایسے جھوٹے راوی کی روایت پیش کرنا دینِ اسلام کی کوئی خدمت نہیں ہے۔

(ب) حماد بن ابی سلیمان آخری عمر میں اختلاط کا شکار ہوگئے تھے، امام ابنِ سعد لکھتے ہیں:

اختلط فی آخر أمره . ''یہ آخری عمر میں اختلاط کا شکار ہوگئے تھے۔'' (تہذیب التہذیب: ۱۵/۳)

حافظ ہیثمی رحمہ اللہ (م ۸۰۷ھ) لکھتے ہیں: **ولا یقبل من حدیث حمّاد الّا ما رواه عنه القدماء : شعبة ، وسفیان الثّوریّ ، والدّستوائیّ ، ومن عدا هؤلاء رووا عنه بعد الاختلاط .**

''حماد بن ابی سلیمان کی حدیث قبول نہیں کی جائے گی، سوائے اس حدیث کے جو ان سے قدیم شاگرد، شعبہ، سفیان ثوری، دستوائی رحمہم اللہ بیان کریں، ان کے علاوہ سارے لوگوں نے ان سے اختلاط کے بعد روایت لی ہے۔'' (مجمع الزوائد: ۱۱۹/۱۔۱۲۰)

امام ابوحنیفہ بھی حماد کے ان شاگردوں میں سے ہیں، جنہوں نے ان سے اختلاط کے بعد سماع کیا ہے، لہٰذا یہ روایت ''ضعیف'' و مردود ہے، اس میں نعمان بن ثابت راوی بھی بالاتفاق ''ضعیف و متروک'' ہے۔

امام زیلعی حنفی (م ۷٦۲ھ) نے بھی اس روایت کو ''معضل'' (سخت منقطع) قرار دیا ہے۔

(نصب الرایة فی تخریج احادیث الهدایة: ۱٤۱/۲)

دلیل نمبر ④ : **قال الطّبرانیّ : حدّثنا یحیی بن صاعد ، ثنا محمّد بن منصور المکّیّ ، ثنا یحیی بن أبی الحجّاج ، ثنا عیسی بن سنان عن رجاء بن حیوة عن جابر ، قال : سألنا نساء رسول اللّٰه صلّی اللّٰه علیه وسلّم : هل رأیتنّ رسول الله صلّی الله علیه وسلّم یصلّی**

الرّكعتين قبل المغرب ؟ فقلن : لا ، غير أنّ أمّ سلمة قالت : صلّاهما عندي مرّة ، فسألته : ما هذه الصّلاة ؟ فقال : نسيت الرّكعتين قبل العصر ، فصلّيتهما الآن .

''سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، بیان کرتے ہیں، ہم نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواجِ مطہرات سے سوال کیا، کیا آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مغرب سے پہلے دو رکعتیں پڑھتے ہوئے دیکھا ہے؟ انہوں نے کہا، نہیں، سوائے اس کے کہ سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے کہا، آپ نے ایک دفعہ یہ دو رکعتیں میرے ہاں پڑھی تھیں، میں نے پوچھا، یہ کیسی نماز ہے؟ اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، میں عصر سے پہلے دو رکعتیں ادا کرنا بھول گیا تھا تو اب ان کو ادا کیا ہے۔'' (مسند الشامیین للطبرانی : ۲/۲۱۲، ح : ۲۱۱۰)

تبصرہ : یہ روایت ''ضعیف'' ہے، کیونکہ اس کی سند میں عیسیٰ بن سنان الحنفی راوی جمہور کے نزدیک ''ضعیف'' ہے، حافظ عراقی رحمہ اللہ (۷۲۵۔۸۰۶ھ) فرماتے ہیں: ضعّفه الجمهور .

''اس کو جمہور محدثین نے ضعیف قرار دیا ہے۔'' (المغنی عن حمل الاسفار فی الاسفار : ۲/۲۰۸)

حافظ ہیثمی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: وضعّفه الجمهور . ''اسے جمہور نے ضعیف کہا ہے۔'' (مجمع الزوائد : ۱/۳۶)

حافظ ابنِ حجر رحمہ اللہ اسے ''ليّن الحديث '' قرار دیتے ہیں۔ (تقریب التہذیب : ۵۲۹۵) اس روایت کے دوسرے راوی یحییٰ بن ابی الحجاج کو بھی حافظ ابنِ حجر نے ''ليّن الحديث'' لکھا ہے۔ (التقریب : ۷۵۲۷)

دلیل نمبر ⑤ : عن ابن المسيّب ، قال : كان المهاجرون لا يركعون قبل المغرب وكانت الأنصار تركع بهما . ''سعید بن مسیّب کہتے ہیں کہ مہاجرین صحابہ کرام مغرب سے پہلے دو رکعتیں نہیں پڑھتے تھے، جبکہ انصار پڑھتے تھے۔''

تبصرہ : (ا) یہ روایت امام زہری رحمہ اللہ کی ''تدلیس'' کی وجہ سے ''ضعیف'' ہے، اس کی صحت کے مدعی پر سماع کی تصریح لازم ہے۔

(ب) انصار صحابہ کا ان دو رکعتوں کو ادا کرنا تو ان کے مستحب ہونے کی واضح دلیل ہے، مہاجرین کے نہ پڑھنے سے وجوب کی نفی ہوتی ہے، جس کے ہم بھی قائل نہیں۔

دلیل نمبر ⑥ : عن عبدالله بن بريدة عن أبيه ، قال : قال رسول الله

صلّی اللّٰه علیه وسلّم : انّ عند کلّ أذانین رکعتین ماخلا صلاة المغرب .

''عبداللہ بن بریدہ اپنے باپ (بریدہ رضی اللہ عنہ) سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، بے شک ہر دو اذانوں (اذان اور تکبیر) کے درمیان دو رکعتیں (مستحب) ہیں، سوائے مغرب کی نماز کے۔''

(سنن الدارقطنی : ۲٦٥/۱، ح : ۱۰۲۸، مسند البزار : ۳۳٤/۱)

تبصرہ : (ا) یہ روایت حیان بن عبیداللہ (حسن الحدیث عندالجمہور) کے اختلاط کی وجہ سے ''ضعیف'' ہے، امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: **ذکر الصّلت منه الاختلاط .**

''صلت نے اس سے اختلاط کو ذکر کیا ہے۔'' (لسان المیزان : ۳۷۰/۲، التاریخ الکبیر : ۵۸/۳)

یہ حدیث بھی اس کا اختلاط ہے، امام بیہقی رحمہ اللہ نے اس کی سند ومتن کو خطا پر مبنی قرار دیا ہے۔

(معرفة السنن والآثار للبیهقی : ۹/٤)

حافظ ہیثمی رحمہ اللہ کہتے ہیں: **ذکره ابن عدیّ ، وقیل : انّه اختلط .**

''اس (حیان بن عبیداللہ) کو امام ابن عدی رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے، کہا گیا ہے کہ یہ اختلاط کا شکار ہو گیا تھا۔'' (مجمع الزوائد : ۲۳۱/۲)

حافظ ابن ملقن رحمہ اللہ نے ''**ماخلا صلاة المغرب**'' کی زیادت کو ''ضعیف'' قرار دیا ہے۔

(البدر المنیر لابن الملقن : ۲۹٤/٤)

(ب) عبداللہ بن بریدہ رحمہ اللہ خود مغرب سے پہلے دو رکعتوں کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم بیان کرتے ہیں۔ (صحیح بخاری : ۱۵۷/۱، ح : ۱۱۸۳)

نیز وہ خود یہ نماز پڑھتے بھی تھے۔ (صحیح ابن خزیمة : ۱۲۸۷، صحیح ابن حبان : ۱۵۵۹، وسندهٔ صحیح)

دلیل نمبر ⑦ : سیدنا ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **صلّوا المغرب لفطر الصّائم وبادروا طلوع النّجوم .**

''مغرب (کی نماز) روزہ دار کے افطار کے وقت پڑھو اور ستاروں کے طلوع ہونے سے سبقت لے جاؤ (یعنی پہلے ہی نماز پڑھ لو)۔'' (مسند الامام احمد : ٤۲۱/٤)

تبصرہ : یہ روایت ''رجل'' مبہم کی وجہ سے ''ضعیف'' ہے۔

دلیل نمبر ⑧ : سیدنا ابو ایوب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے

ہوئے سنا: صلّوا صلاۃ المغرب مع سقوط الشّمس ، بادروا بھا طلوع النّجوم .
''مغرب سورج کے غروب ہوتے ہی پڑھ لو، اس کے پڑھنے میں ستاروں کے طلوع ہونے سے سبقت لے جاؤ۔'' (المعجم الکبیر للطبرانی : ١٧٦/٤)

تبصرہ : ان دونوں روایتوں میں نمازِ مغرب جلدی پڑھنے کا حکم ہے، اس نے نمازِ مغرب سے پہلے دو رکعتوں کی نفی یا عدمِ جواز ثابت نہیں ہوتا۔

مغرب کی اذان بھی تو سورج کے غروب ہونے کے بعد ہی کہی جاتی ہے، اگر اچھے طریقے سے کہی جائے تو چار پانچ منٹ اذان پر صرف ہو جاتے ہیں، اب اگر کوئی اس روایت کو لے کر مغرب کی اذان نہ کہنے کا شوشہ کھڑا کر دے تو کیا وہ حق بجانب ہوگا؟

سیدھی سی بات ہے کہ جس ہستی نے مغرب کی نماز جلدی پڑھنے کا حکم دیا ہے، اسی نے مغرب سے پہلے دو رکعتوں کا حکم دیا ہے، خود بھی پڑھ کر دکھائی ہیں، نیز اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو پڑھتے ہوئے دیکھا تو اظہارِ رضامندی فرمایا ہے۔

پھر دو رکعتوں کے پڑھنے میں بھلا کتنا وقت صرف ہوتا ہے؟ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ مغرب کی نماز شروع پڑھنے میں اتنی تاخیر نہ کرو کہ ستارے ظاہر ہو جائیں، اگر جلدی میں دو رکعتیں پڑھ لی جائیں تو ستارے کہاں ظاہر ہوتے ہیں؟

جہاں نبی کریم ﷺ سے نمازِ مغرب میں قصارِ مفصّل (چھوٹی چھوٹی آخری سورتوں) کی قراءت ثابت ہے (سنن النسائی : ١٧٦/٢، ح : ٩٨٣۔٩٨٤، وسندہ حسن)، وہاں آپ ﷺ سے سورۂ طور کی قراءت بھی ثابت ہے۔ (صحیح بخاری : ١٠٥/١، ح : ٧٦٥، صحیح مسلم : ١٨٧/١، ح : ٤٦٣)

اسی طرح سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے: انّ رسول اللّٰہ صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم قرأ فی صلاۃ المغرب بسورۃ الأعراف ، فرّقھا فی رکعتین . ''رسول اللہ ﷺ نے نمازِ مغرب میں سورۂ اعراف پڑھی، اس کو دو رکعتوں میں تقسیم کر دیا تھا۔'' (سنن النسائی : ١٥٤/١، ح : ٩٩١، وسندہٗ صحیحٌ)

سورۂ طور اور سورۂ اعراف کی تلاوت کرنے کے باوجود بھی آپ ﷺ کی نمازِ مغرب یقیناً تاخیر سے ادا نہیں ہوئی تھی، کیونکہ آپ ﷺ تو نماز عین وقت پر پڑھتے تھے، کیا دو رکعتیں اس سے بھی زیادہ وقت لیتی ہیں؟

حافظ نووی رحمہ اللہ (٦٣١۔٦٧٦ھ) لکھتے ہیں: والمختار استحبابھا لھذہ الأحادیث

الصّحيحة الصّريحة .   ''ان صحیح وصریح احادیث کی روشنی میں مختار بات یہ ہے کہ مغرب سے پہلے (دو رکعت) نماز مستحب ہے۔'' (شرح صحیح مسلم للنووی : ۲۷۸/۱)

نیز لکھتے ہیں: **وأمّا قولهم : يؤدّى الٰى تأخير المغرب ، فهذا خيال منابذ للسّنّة ، فلا يلتفت اليه ، ومع هذا فهو زمن يسير ، لا تتأخّر به الصّلاة عن أوّل وقتها ، وأمّا من زعم النّسخ ، فهو مجازف ، لأنّ النّسخ لا يصار اليه الّا اذا عجزنا عن التّأويل والجمع بين الأحاديث وعلمنا التّاريخ ، وليس هنا شئ من ذلك .**

''رہا ان (منکرینِ سنت) کا یہ کہنا کہ مغرب سے پہلے دو رکعتیں پڑھنا مغرب کو لیٹ کر دیتا ہے، تو یہ سنت دشمنی پر مبنی خیال ہے، اس کی طرف التفات نہیں کیا جائے گا، نیز ان دو رکعتوں کی ادائیگی میں تھوڑا سا وقت لگتا ہے، جس سے نماز اول وقت سے لیٹ نہیں ہوتی، جس نے یہ دعوی کیا کہ یہ نماز منسوخ ہے، وہ بے تکی اور بے اصولی باتیں کرنے والا ہے، کیونکہ منسوخیت کا دعوی تو تب ہوگا، جب ہم حدیثوں کی تاویل اور ان کے درمیان جمع و تطبیق سے عاجز آجائیں اور ہمیں تاریخ کا علم ہو جائے، جبکہ یہاں ایسی کوئی چیز نہیں ہے۔''

(شرح مسلم للنووی : ۲۷۸/۱) **نیز دیکھیں** (السعایة از عبدالحی اللکنوی الحنفی : ۳۱/۲)

برصغیر کے مشہور حنفی عالم جناب عبدالحئ لکھنوی (۱۲۶۴-۱۳۰۴ھ) حافظ قسطلانی سے نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں: **مجموع الأحاديث تدل على استحباب تخفيفها كركعتى الفجر .**

''احادیث کا مجموعہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ مغرب کی نماز سے پہلے دو رکعتوں کو فجر کی نماز سے پہلے والی دو رکعتوں کی طرح تخفیف سے پڑھا جائے۔'' (السعایة : ۲۹/۲)

علامہ کرمانی حنفی بھی اس نماز کے استحباب کے قائل ہیں۔ (شرح الکرمانی : ۲۳/۵)

جناب محمود الحسن دیوبندی اسیر مالٹا (م ۱۳۳۹ھ) کہتے ہیں: ''ہاں ! اگر بلا تاخیر مغرب نوافل پڑھ سکے یا کسی وجہ سے جماعت میں دیر ہو تو جائز ہے۔'' (تقاریر «شیخ الهند» : ۵۲، ۲۴٤)

الحاصل :   مغرب سے پہلے دو نفل مستحب ہیں، کراہت پر کوئی دلیل نہیں ہے، دعا ہے کہ اللہ رب العزت ہمیں نبی کریم ﷺ کی سنتوں سے محبت کرنے والا بنائے۔   آمین !

❀❀❀❀❀❀❀

حدیثِ افک پر اعتراضات اور ان کے جوابات ④

اعتراض نمبر ⑮ : ''اس افسانہ کے فرضی ہونے کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ ام المؤمنین حضرت جویریہ بنتِ حارث رضی اللہ عنہا سے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ بنی مصطلق سے واپس ہوکر ہی عقد فرمایا ہے۔۔۔۔محمد بن اسحاق کی روایت یہ ہے کہ اولاً جویریہ خطیبِ اسلام حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کے حصہ میں آئی تھیں، یعنی مالِ غنیمت تقسیم کرتے وقت آپ نے جویریہ ثابت کو بخش دی تھیں، حضرت جویریہ نے ثابت سے کتابت کا معاملہ کرلیا، یعنی یہ کہ میں آپ کو اس قدر رقم دے دوں گی، آپ مجھے آزاد کردیں، ثابت نے فوراً منظور کرلیا۔۔۔۔جویریہ نے عرض کیا، یارسول اللہ! میں بنی مصطلق کے سردار حارث کی بیٹی ہوں اور مشرف بہ اسلام ہوں، ثابت بن قیس نے جس کے حصہ میں میں آئی ہوں، مجھے مکاتب کردیا ہے، مجھے ثابت کو وہ رقم ادا کرنی ہے، آپ نے فرمایا، اگر تمہیں منظور ہو تو وہ پوری رقم میں ادا کردوں اور تم سے نکاح کرلوں، حضرت جویریہ نے عرض کیا، مجھے بالکل منظور ہے، آپ نے ثابت کو رقم ادا کردی اور ان سے نکاح کرلیا۔۔۔

پس اگر غزوۂ بنی مصطلق سے واپسی پر حضرت صدیقہ پر بہتان لگنے کا واقعہ ہوا ہوتا تو یہ زمانہ تو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے شدید رنج وغم کا تھا، جو زہری کی روایت کے مطابق ایک ماہ تک چلا ہے، تو کیا ایسے رنج وغم کے زمانے میں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نکاح فرماتے؟ شادی و ناشادی تو ایک دوسرے کی نقیض ہیں، ان کا اجتماع نہیں ہوسکتا۔'' («صحیح بخاری کا مطالعہ» : ۱۷۰۔۱۷۱)

جواب : ① قارئین کرام! شادی و ناشادی یقیناً ایک دوسرے کی نقیض ہیں اور ان کا اجتماع نہیں ہوسکتا، لیکن اس حدیث میں تو اس اجتماع کا اشارہ تک موجود نہیں، کیا کوئی منکرِ حدیث کسی حدیث سے ہمیں یہ دکھا سکتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عین اسی زمانے میں سیدہ جویریہ رضی اللہ عنہا سے شادی فرمائی تھی جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا پر لگائے جانے والے بہتان کے رنج وغم میں مبتلا تھے؟

واقعہ یہ ہے سیدہ جویریہ رضی اللہ عنہا سے شادی یا تو سفر میں ہوگئی تھی یا سفر سے واپسی کے فوراً بعد ہوئی ہے، جب ابھی تک منافقین اپنے پروپیگنڈے کو ہوا دینے کی کوشش میں تھے اور رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس سے واقف نہ ہوئے تھے، میرٹھی صاحب کا کوئی جانشین ہمت کرکے کسی ایک روایت میں دونوں واقعات کا اجتماع ثابت کرے۔

حقیقت یہ ہے کہ میرٹھی صاحب کے اس اعتراض کی بنیاد محض اس مفروضے پر ہے کہ یہ دونوں کام غزوۂ بنی مصطلق کے بعد ہوئے ہیں، لہٰذا ان کا ''اجتماع'' ہو گیا ہے، حالانکہ اس مفروضے کا حقیقت سے دور کا بھی تعلق نہیں، کیا صرف ایسے کمزور شبہ کی بنا پر بے ابر دن کے سورج کی طرح روشن واقعہ کا انکار کر دیا جائے جسے تمام صحابہ وتابعین، ائمہ دین، محدثین، مفسرین، فقہاء اور اصولیین اپنے عقیدہ وعمل کی بنیاد بناتے چلے آئے ہیں اور جس کا چودہ سو سال میں آج تک کسی مسلمان نے انکار نہیں کیا؟

کیا میرٹھی صاحب کے خیال میں چودہ سو سال میں ان کے علاوہ کوئی ایک انسان بھی اتنا زیرک پیدا نہیں ہوا تھا کہ جس کے ذہن میں ''اس افسانے کے فرضی ہونے کی ایک دلیل یہ'' ہی آ جاتی؟

④ سنن ابی داؤد (۳۹۳۱) کی جس روایت سے استدلال کر کے صحیح بخاری کی متفق علیہ حدیث پر اعتراض کیا گیا ہے، میرٹھی صاحب کے قاعدے کے مطابق وہ ناقابل التفات ہے، اس میں وہی محمد بن اسحاق بن یسار امام المغازی رحمہ اللہ موجود ہیں، جن کے بارے میں میرٹھی صاحب اپنی اسی کتاب میں لکھ چکے ہیں:

''اس کی روایت مؤرخ محمد بن اسحاق نے کی ہے جو ثقہ نہ تھا، ضعیف وغلط بیان اور بات کا بتنگڑ بنا دینے والا آدمی تھا۔'' (((مطالعہ)) : ۲۵/۱)

اب میرٹھی صاحب کا کوئی معتقد ہی بتائے کہ ان کی ''میٹھا میٹھا ہپ اور کوڑا کوڑا تھوُ'' والی اس پالیسی کو کیا نام دیا جائے؟ کیا اب بزعمِ خود ان کے مطلب کی بات آئی ہے تو وہی ''ضعیف وغلط بیان اور بات کا بتنگڑ بنا دینے والے'' محمد بن اسحاق رحمہ اللہ عین ثقہ ہو گئے ہیں کہ ان کی روایت کو بنیاد بنا پر ساری امتِ مسلمہ کی مسلّم حدیث کا انکار کر دیا ہے؟ تِلْكَ إِذًا قِسْمَةٌ ضِيزٰى . ''تب تو یہ بندر بانٹ ہے۔''

اعتراض نمبر ⑱ : ''اس گھڑی ہوئی بے بنیاد کہانی کو اس لیے بھی رد کرنا ضروری ہے کہ یہ عصمتِ انبیاء کے منافی ہے، توضیح اس کی یہ ہے کہ عصمت نبوّت کا وصفِ لازم ہے، اللہ تعالیٰ نے جو بھی نبی مبعوث فرمایا، وہ معصوم تھا، یعنی ان تمام جسمانی واخلاقی عیوب سے قطعاً محفوظ جو لوگوں کی نگاہ میں ذلت وحقارت کا باعث ہوں۔۔۔۔۔۔

کوئی جسمانی واخلاقی عیب کسی نبی میں نہ ظہورِ نبوت سے قبل پایا گیا نہ ظہورِ نبوت کے بعد تا وفات حادث ہوا اور ان عیوب میں سے ناپارسائی، یعنی زنا کی وجہ سے پیدا شدہ ذلت وحقارت متعدی ہوتی ہے اور دیگر عیوب سے پیدا شدہ ذلت وحقارت اسی شخص کی ذات تک محدود رہتی ہے، جس میں وہ عیب ہو، مثلاً کوئی

مرد چور ہواوراس کے اعزا واقربا، بھائی، بہن، اولاد، ماں، باپ، دادا، دادی چور نہ ہوں تو اسی چور مرد سے نفرت کی جاتی ہے اور اسے ہی گری ہوئی نگاہوں سے دیکھا جاتا ہے، اس کے اعزا واقربا سے محض اس کے جرم کی وجہ سے نفرت نہیں کی جاتی، الا یہ کسی طرح اس چور کی اعانت وحمایت کرتے ہوں۔۔۔۔

لیکن زنا ایسا جرم ہے کہ اس کی وجہ سے پیدا شدہ نفرت وحقارت زانی وزانیہ کے اصول وفروع اور اہل و عیال کو بھی اپنی لپیٹ میں لے لیتی ہے، زانیہ عورت کے جرم کی وجہ سے اس کے ماں، باپ، دادا، دادی کی، اس کے شوہر کی، اس کی اولاد کی بھی بے عزتی ہوتی ہے۔۔۔۔

پس جس طرح کوئی بھی نبی کبھی جرم زنا کا مرتکب نہیں ہوا، اسی طرح کسی نبی کے والدین اور بھائیوں، بہنوں اور اہل وعیال سے بھی کوئی اس کا مرتکب نہیں ہوا۔

نبی کی بیوی کافرہ ہوسکتی تھی، مگر زانیہ نہیں، نبی کے بیٹے یا بیٹی سے کفر کا صدور ہوسکتا تھا، مگر زنا کا نہیں، نبی کے ماں باپ مبتلائے کفر ہوسکتے تھے، مگر ان کا مبتلائے زنا ہونا ممکن نہ تھا، پس حضور ﷺ کی طرح آپ کی تمام ازواجِ مطہرات اور جملہ بناتِ طیبات کے لیے بھی عصمت تکوینی طور پر مقدر ولازم کردی گئی تھی، جیسے تکوینی طور پر ہر زندہ انسان کے لیے سانس لینا لازم ومقدر کردیا گیا ہے۔

اور اللہ تعالیٰ کو اس امر میں اپنے نبی کی عصمت اس قدر عزیز رہی ہے کہ کسی بے ہودہ شخص یا اشخاص نے اگر کسی نبی کی ذات یا نبی سے قرابتِ قریبہ رکھنے والی کسی ہستی کی عفت پر الزام لگایا تو علی الفور اس قدر واضح طریق سے اس کی تردید فرمادی جیسے بے ابر دن میں نصف النہار کا سورج واضح ہوتا ہے۔

عزیز مصر کی بیوی نے اپنے شوہر کے سامنے اپنے بچاؤ کے لیے حضرت یوسف علیہ السلام پر ارادۂ بد کا الزام لگایا تو علی الفور عزیز کے سامنے اس کی پول کھول دی گئی، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو کنواری مریم صدیقہ کی گود میں دیکھ کر لوگ بپھر گئے اور ان پر الزام رکھنے لگے تو علی الفور حق تعالیٰ نے شیر خوار مسیح بن مریم کی زبان پر وہ سنجیدہ وباوقار تقریر جاری فرمادی جسے سن کر سب لوگ مبہوت رہ گئے اور پہلے سے بھی کہیں زیادہ حضرت مریم کے معتقد بن گئے، بلکہ انبیائے کرام کے علاوہ نیک وصالح بندوں پر بھی اللہ تعالیٰ کی یہ نوازش رہتی ہے۔

چنانچہ صحیح بخاری وغیرہ میں ایک عابد وزاہد جریج نامی شخص کا قصہ مذکور ہے جو خود حضور ﷺ کا بیان فرمودہ ہے کہ شیر خوار بچہ نے جو اپنی حرام کار ماں کی گود میں تھا، برملا جریج کی بے گناہی ظاہر کردی اور عامۃ الناس یہ کرامت دیکھ کر جریج کے بے حد معتقد ہو گئے، پس اگر ام المؤمنین پر الزام لگایا گیا ہوتا تو سنت اللہ

تعالیٰ سنتِ انبیاء کے مطابق علی الفور کوئی ایسی ہی قطعی اور غیبی نشانی رونما فرما دیتا جس سے اس بہتان کے پرخچے اُڑ جاتے ، ایک ماہ تک مسلسل اپنے حبیب خاتم الانبیاء ﷺ کو اس جانکاہ غم میں مبتلا نہ رکھتا، اس لیے میں اس کہانی کو از اوّل تا آخر غلط سمجھتا ہوں ۔۔۔۔'' («مطالعہ» : ۱/۱۷۱۔۱۷٤)

جواب : ① اگر عقل ہی معیار ہے تو میرٹھی صاحب اور ان کے ہمنوا اس رافضی اور قرآنِ کریم میں (نعوذ باللہ) تحریف کے دعویٰ دار آدمی کو کیا جواب دیں گے جو قرآنِ کریم پر یہی اعتراض کر دے اور کہہ دے کہ: (نقل کفر کفر نہ باشد)

''میں قرآن میں مذکور یوسف علیہ السلام کا واقعہ غلط اور کسی کا اپنی طرف سے گھڑا ہوا سمجھتا ہوں ، کیونکہ یہ عصمتِ انبیاء اور سنت الٰہی کے خلاف معلوم ہوتا ہے، وہ یوں کہ کسی نبی پر یا کسی ولی پر کبھی ناپارسائی کا کوئی الزام لگا ہے تو اللہ تعالیٰ نے فوراً علی الاعلان سب کے برملا اس کی براءت کی ہے، جبکہ سورۂ یوسف میں یہ بتایا گیا ہے کہ یوسف علیہ السلام کی براءت کا برملا اعلان عزیز مصر کی بیوی نے اس وقت کیا، جب آپ چند سال تک قید کاٹ چکے تھے، پھر اس نے کہا تھا: اَلْـئٰـنَ حَـصْـحَصَ الْحَقُّ ، أَنَا رَاوَدْتُّهُ عَنْ نَّفْسِهٖ وَاِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۞ (یوسف : ٥١) ''اب حق آشکارا ہوا ہے، میں نے ہی اسے اس کے نفس کے بارے میں بہلایا تھا اور بلاشبہ وہ سچے لوگوں میں سے ہیں۔''

پھر یوسف علیہ السلام کا یہ مقولہ ذکر کیا گیا ہے: ذٰلِکَ لِيَـعْـلَـمَ اَنِّـیْ لَـمْ أَخُنْهُ بِالْغَيْبِ وَأَنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِیْ كَيْدَ الْخَائِنِيْنَ۞ (یوسف : ٥٢) ''یہ (میری طرف سے کیا گیا تحقیق کا مطالبہ) اس لیے تھا کہ وہ (عزیز مصر) یقین کر لے کہ میں نے اس کی غیر موجودگی میں اس سے خیانت نہیں کی اور یقیناً اللہ تعالیٰ خیانت کرنے والوں کی تدبیر کو چلنے نہیں دیتا۔''

سنتِ الٰہی کے مطابق تو یوں ہونا چاہیے تھا کہ اسی وقت سب لوگوں کو سرِ عام یوسف علیہ السلام کی براءت سے آگاہ کیا جاتا، جیسا کہ مریم علیہا السلام کی گود میں سیدنا عیسیٰ علیہ السلام نے برملا سب لوگوں کے سامنے ان کی براءت کا اظہار کیا تھا اور سب لوگ اسی وقت ان کی پارسائی پر ایمان لے آئے تھے، لیکن یہاں مذکور ہے کہ کئی سال بعد سب لوگوں کے سامنے یہ حقیقت آشکارا ہوئی تھی، بلکہ خود یوسف علیہ السلام نے اس امر کی ضرورت محسوس کی اور بادشاہ کو یہ پیغام بھجوایا کہ پہلے اس کیس کی تحقیقات کروائیں تاکہ بادشاہ اور تمام لوگوں کو آپ علیہ السلام کی براءت کا

یقین ہو جائے اور کسی قسم کا کوئی شبہ باقی نہ رہے۔۔۔''

② جریج راہب کے قصہ میں بھی ''علی الفور'' والی کوئی بات نہیں ہے، جس کا میرٹھی صاحب نے دعویٰ کیا ہے، بلکہ لوگوں نے عورت کے الزام پر یقین کر کے اس کے عبادت خانے کو مسمار کر دیا تھا اور اسے گالیاں بھی دی تھیں، صحیح بخاری ہی کے الفاظ ہیں:

فأتوه ، فکسروا صومعته ، وأنزلوه ، وسبّوه ... ''لوگ اس کی طرف آئے ، اس کے عبادت خانے کو ڈھا دیا، اس کو باہر نکالا اور اسے گالی گلوچ کیا۔۔۔'' (صحیح بخاری : ٣٤٣٦)

اس واقعہ کو تو خود میرٹھی صاحب نے اپنے مؤقف کی تائید کے لیے پیش کیا ہے، اگر کوئی آدمی کہہ دے کہ ''اللہ تعالیٰ کا طریقہ یہ ہے کہ اپنے نیک بندوں کو اس طرح کے الزام کی وجہ سے کوئی گزند پہنچنے سے پہلے ہی بری کر دیتا ہے، لیکن جریج کے واقعہ کو میں غلط سمجھتا ہوں، کیونکہ اس میں یہ مذکور ہے کہ لوگوں نے اس کا عبادت خانہ مسمار کر دیا تھا، اسے باہر نکال دیا تھا اور اسے گالی گلوچ بھی کی تھی، حالانکہ چاہیے یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ علی الفور اس کی براءت کا اظہار فرماتا۔'' تو میرٹھی صاحب اور ان کے ہمنواؤں کے پاس اس کا کیا جواب ہے؟

جو وہ جواب اپنے ہاں اس تسلیم شدہ واقعہ کا دیں گے، وہی حدیثِ افک کا ہم دے دیں گے۔

③ اگر کوئی منکرِ قرآن کہہ دے کہ ''میں قرآن میں مذکور مریم علیہا السلام کا واقعہ تسلیم نہیں کرتا، کیونکہ اس میں مذکور ہے کہ لوگوں نے سیدہ مریم علیہا السلام پر بہتان رکھ دیا تھا کہ تیرے ماں باپ تو ایسے بدکار نہ تھے، تُو نے کیا کیا ہے؟؟؟ حالانکہ عقل کا تقاضا یہ ہے اللہ کے نیک بندوں کے بارے میں ایسی بات ہونے سے پہلے ہی اللہ تعالیٰ کوئی نشانی ظاہر کر کے لوگوں کو مطمئن کر دے، اس لیے کہ ایسی بات کا ایک دفعہ کہہ دیا جانا بھی انبیاء وصلحاء کی عصمت وعظمت کے منافی ہے۔''

تو منکرینِ صحیح بخاری کے پاس اس کا کیا جواب ہوگا؟؟؟ وہی ہمارا جواب سمجھ لیں!!!

④ قرآن وسنت میں اللہ تعالیٰ کی یہ سنت مذکور ہے اور ہر مسلمان اس کا اقراری بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے نیک بندوں کی آزمائش کرتا ہے، نیز ہر ذی شعور آدمی یہ سمجھتا ہے کہ جتنا کوئی انسان اللہ کے زیادہ قریب ہوگا، اتنی ہی اس کی آزمائش بھی سخت ہوتی ہے، تمام انبیاء وصلحاء مل کر نبیٔ آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کے مقام ومرتبہ کو نہیں پہنچ سکتے، آپ کا چونکہ مقام ومرتبہ سب سے اونچا ہے، اس لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کی آزمائش بھی سخت کی گئی، لہٰذا دیگر انبیاء وصلحاء کے اس طرح کے واقعات کے نسبت اللہ تعالیٰ نے سیدہ

عائشہ ؓ کی براءت کا اعلان کچھ دیر سے کیا، نیز اس میں بہت سی بلیغ حکمتیں پوشیدہ تھیں، جن کے تذکرے کا یہ مقام نہیں ہے۔

تنبیہ : الحمد للہ! میرٹھی صاحب کے صحیح بخاری کی حدیثِ افک پر کیے گئے تمام اعتراضات کا ہم نے مفصل جواب دے دیا ہے، ان اعتراضات کے آخر میں خلطِ مبحث سے کام لیتے ہوئے دس سے زائد صفحات خوامخواہ سیاہ کیے ہیں، کہتے ہیں: ''رہا یہ سوال کہ اس فرضی کہانی کا مصنف کون ہے اور وجہٗ تصنیف کیا تھی؟ تو اس کا جواب دینے سے قبل میں ان تینوں روایتوں کی اسناد پر بحث کروں گا۔۔۔''

اسناد پر اعتراضات کا تو ہم نے تفصیلی جواب شروع میں ہی اصولی اعتراضات اور ان کے جوابات کے ضمن میں دے دیا ہے، باقی میرٹھی صاحب نے خود یہ اعتراف بھی کر لیا ہے کہ ان کے نزدیک جو اس کہانی کا مصنف ہے، اس کا نام وہ نہیں جانتے، نہ معلوم پھر وہ اٹکل پچو سے کام کیوں لے رہے ہیں۔

رہی وجہٗ تصنیف تو اس میں انہوں نے نہایت بے بنیاد باتیں کی ہیں، جن کا ان کے موضوع، یعنی صحیح بخاری سے کوئی تعلق نہیں۔

لہٰذا ہم ان کی اس فضول کاوش کی طرف التفات نہیں کر رہے، حالانکہ وہاں بھی جا بجا ان پر گرفت کی جا سکتی ہے، لیکن یہ سب کچھ ہمارے موضوع سے خارج ہے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں حق کو سمجھ کر اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین !

❀❀❀❀❀❀❀

قارئین کرام! یہ جان کر آپ کو یقیناً دلی خوشی ہوگی کہ السنۃ نے اپنی عمر کا ایک سال مکمل کر لیا ہے، یہ سب کچھ اللہ رب العزت کے فضل اور آپ کی دعاؤں سے ممکن ہوا ہے، اس میں جو خوبیاں تھیں، وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تھیں اور جو خامیاں تھیں، وہ ہماری بشری لغزشوں کا نتیجہ تھیں، ہم نے علمی بے بضاعتی کے باوجود علم و تحقیق کا دامن نہیں چھوڑا، آئندہ بھی اسی معیار کو برقرار رکھا جائے گا۔ ان شاء اللہ العزیز !

جہاں آپ خود اس کے قاری ہیں، وہاں آپ کا یہ بھی اخلاقی فرض ہے کہ اس کے قارئین کی تعداد کو بڑھا کر اس کارِ خیر میں عملاً حصہ ڈالیں، لہٰذا اپنے عزیز و اقارب اور احباب و اصحاب کو اس کی ترغیب دیں۔

حدیثِ ابنِ عباس رضی اللہ عنہما

لَا تُحَرِّکْ بِهٖ لِسَانَکَ لِتَعْجَلَ بِهٖ ۝ کی تفسیر

قارئین کرام! سورۃ القیامہ کی آیات (۱۶۔۱۹) میں اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کریم ﷺ کو یہ تعلیم دی تھی کہ جبریل کے آپ کی طرف وحی کرنے کے وقت آپ بھول جانے کے اندیشے سے جلدی جلدی نہ پڑھا کریں، بلکہ جب جبریل وحی مکمل پہنچا چکیں تو آپ پڑھیں، وحی کی حفاظت اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمہ لی ہے، وہ اسے ضائع نہیں ہونے دے گا۔

قرآنِ کریم کے الفاظ بھی یہی بتاتے ہیں اور صحیح بخاری میں موجود سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث بھی ان آیات کی یہی تشریح کرتی ہے، صحابہ، تابعین، تبع تابعین اور ائمہ دین، سب نے اجماعی طور پر یہی تفسیر کی ہے، چودہ سو سال تک کسی مسلمان نے اس تفسیر کو غلط نہیں کہا، آپ کسی مسلمان کی لکھی ہوئی کوئی بھی تفسیر اٹھائیں، ان آیات کی یہی تفسیر آپ کو ملے گی، لیکن چودہ سو سال کے تمام مسلمانوں کو معاذ اللہ ''عقل وفہم سے بے بہرہ، بے وقوف اور نہایت غیر عاقلانہ طرزِ کار کے حامل'' قرار دے کر شبیر احمد ازہر میرٹھی صاحب نے اس حدیث اور اس تفسیر پر بہت سے بے تکے، جاہلانہ اور آوارہ اعتراضات کیے ہیں، بھلا کوئی اس سے پوچھے کہ چودہ سو سال میں کیا کوئی بھی اتنی سوجھ بوجھ والا انسان پیدا نہیں ہوا؟

دراصل یہ لوگ چاہتے ہیں کہ حدیث پر اعتراضات کر کے اس کی دینی حیثیت کو مشکوک بنا دیا جائے اور پھر قرآن کی من مانی تفسیر وتشریح کرتے ہوئے اصل اسلام کو ختم کیا جائے اور اسلام کا لیبل بھی قائم رہے۔

افسوس کی بات ہے کہ یہ باطنی و رافضی صاحب قرآنِ کریم میں بھی عربیت کے لحاظ سے غلطیوں کے وجود کا دعویٰ دار ہیں (دیکھیں «صحیح بخاری کا مطالعہ» : ۷۳/۱)، لیکن پھر بھی بعض جاہل لوگ انہیں ''مفسرِ قرآن'' سمجھتے ہیں اور ان کی نام نہاد تفسیر ''مفتاح القرآن'' کو بڑا علمی خزینہ سمجھتے ہیں۔

آیئے صحیح بخاری کی اس صحیح حدیث پر ساری امت کے اتفاق کے خلاف انہوں نے جو کاوش کی ہے، اس کا علمی، تحقیقی اور عقلی جائزہ لیتے ہیں:

اعتراض نمبر ① : ''ابوعوانہ راوی نے جس کا نام وضاح بن عبداللہ یشکری ہے، یہ حدیث موسیٰ بن ابی عائشہ سے سنی تھی، موسیٰ بن ابی عائشہ کا بیان ہے کہ یہ حدیث بیان کرتے ہوئے عبداللہ

ابن عباس نے سعید بن جبیر سے فرمایا تھا کہ دیکھو، میں تمہیں اپنے ہونٹ ہلا کر دکھاتا ہوں، جس طرح کہ رسول اللہ ﷺ آغازِ امر میں حضرت جبرئیل کے ساتھ ایک ایک لفظ پڑھتے ہوئے ہونٹ ہلاتے تھے اور سعید ابن جبیر نے موسیٰ بن ابی عائشہ سے کہا کہ دیکھو، میں تمہیں اپنے ہونٹ ہلا کر دکھاتا ہوں، جیسے عبداللہ بن عباس نے مجھے اپنے ہونٹ ہلا کر دکھائے تھے، اس پر یہ بجا یہ اشکال وارد ہوتا ہے کہ حضرت ابنِ عباس نے رسول اللہ ﷺ کے مقدس لبہائے مبارک جبرئیل کے ساتھ ساتھ لفظ لفظ پڑھنے کی وجہ سے ہلتے ہوئے کب دیکھے تھے؟ جب سورۃ القیامہ نازل ہوئی ہے تو ابنِ عباس پیدا بھی نہیں ہوئے تھے، حضورِ اکرم ﷺ نے جب مکہ سے ہجرت فرمائی ہے تو ابنِ عباس اپنی عمر کے تیسرے سال میں تھے، انہیں ہوشمند ہونے کے بعد پہلی بار حضورِ اکرم ﷺ کو دیکھنے کا موقع ذی قعدہ سات ہجری میں میسر ہوا تھا، جب آپ عمرۃ القضا کے لیے مکہ تشریف لے گئے تھے اور اس روایت کے بموجب رسول اللہ ﷺ کا وحی اخذ کرتے ہوئے ہونٹوں کو ہلانا نبوت کے ابتدائی دور کی بات ہے، جسے عبداللہ بن عباس نے یقیناً نہیں دیکھا، کیونکہ وہ پیدا ہی نہیں ہوئے تھے، پھر عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سعید بن جبیر سے یہ کیسے کہہ سکتے تھے کہ أنا أحرّ کهما لک کما کان رسول اللّٰه صلّى اللّٰه عليه وسلّم يحرّ كهما ... (میں تمہیں اپنے ہونٹ ہلا کر دکھاتا ہوں، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ اپنے ہونٹ ہلایا کرتے تھے)، ہرگز نہیں، ہمیں یقین ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس نے سعید بن جبیر سے یہ نہیں کہا تھا اور غالباً سعید بن جبیر نے بھی موسیٰ بن ابی عائشہ سے یہ فضول اور غلط بات نہیں کہی ہوگی۔۔۔ بلکہ یہ خود موسیٰ بن ابی عائشہ کا ہی طبعزاد اضافہ ہے۔۔۔'' (((مطالعہ)) : ۱/۱۸۔۱۹)

جواب: قارئین کرام! یہ اعتراض حدیث اور اصولِ حدیث سے ناواقفیت یا محض ہٹ دھرمی کا نتیجہ ہے۔

① بات اتنی سی ہے کہ سیدنا ابنِ عباس رضی اللہ عنہما نے یہ حدیث اس وقت نبی کریم ﷺ سے نہیں سنی تھی، بلکہ بعد میں نبی کریم ﷺ نے ان کو سورۃ القیامہ کی تفسیر سمجھاتے ہوئے اپنا یہ واقعہ سنا دیا تھا اور وہ کیفیت دکھائی تھی، جسے آپ ان آیات کے نزول سے پہلے اختیار کیا کرتے تھے۔

مستخرج ابی نعیم میں سیدنا ابنِ عباس رضی اللہ عنہما کے یہ صریح الفاظ ہیں: رأيت رسول اللّٰه صلّى اللّٰه عليه وسلّم يحرّك شفته . ''میں نے رسول اللہ ﷺ کو اپنا ہونٹ ہلاتے ہوئے

دیکھا۔'' (المسند المستخرج علی صحیح الامام مسلم لأبی نعیم الأصبهانی : ۶۸/۲، وسندہٗ صحیحٌ)

حافظ ابنِ حجر رحمہ اللہ یہی اعتراض نقل کر کے جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں: **لکن یجوز أن یکون النّبی صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم أخبرہ بذلک بعد أو بعض الصّحابۃ أخبرہ أنّہ شاھد النّبی صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم ، والأوّل ھو الصّواب ، فقد صریحاً فی مسند أبی داوٗد الطّیالسیّ ...**

''ممکن ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بعد میں خود ان کو یہ بیان کیا ہو یا کسی اور صحابی نے ان کو بتایا کہ انہوں نے نبی کریم ﷺ کو دیکھا، لیکن پہلی بات (کہ خود رسول اللہ ﷺ نے ان کو بعد میں بتا دیا تھا)، کیونکہ مسند ابی داوٗد طیالسی میں یہ صریح طور پر ثابت ہے۔'' (فتح الباری لابن حجر : ۲۹/۱)

سیدنا ابنِ عباس رضی اللہ عنہما مفسر قرآن ہیں اور تفسیر انہوں نے رسولِ کریم ﷺ سے حاصل کی ہے، کیا یہ بات سمجھ میں نہ آنے والی ہے کہ آپ ﷺ نے ان آیات کی تفسیر بتاتے وقت ان کو وہ کیفیت بتا دی تھی؟

② اگر کوئی اس بات کو نہ مانے کہ رسول اللہ ﷺ نے خود سیدنا ابنِ عباس رضی اللہ عنہما کو یہ کیفیت بتائی تھی، تو بھی اس حدیث میں کوئی عیب وقدح اور ضعف پیدا نہیں ہوتا، کیونکہ صحابہ کرام جب ایسی حدیث بیان کریں جو انہوں نے ڈائریکٹ نبی کریم ﷺ سے سنی نہ ہو تو وہ لازماً کسی دوسرے صحابی سے سن کر بیان کر رہے ہوتے ہیں اور اسے اصطلاحِ محدثین میں ''مرسل صحابی'' کہتے ہیں اور یہ عام ''مرسل'' حدیث کی طرح ''ضعیف'' نہیں، بلکہ محدثین کے نزدیک مقبول ہے، حافظ ابنِ صلاح رحمہ اللہ () فرماتے ہیں:

ثمّ انّا لا نعدّ فی أنواع المرسل ونحوہ ما یسمّی فی أصول الفقہ مرسل الصّحابیّ ، مثل ما یرویہ ابن عباس وغیرہ من أحداث الصّحابۃ عن رسول اللّٰہ صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم ولم یسمعوہ منہ ، لأنّ ذلک فی حکم الموصول المسند ، لأنّ روایتھم عن الصّحابۃ ، والجھالۃ بالصّحابیّ غیر قادحۃ ، لأنّ الصّحابۃ کلّھم عدول ...

''پھر یہ بھی یاد رہے کہ ہم (محدثین) اس حدیث کو مرسل وغیرہ کی اقسام میں شمار نہیں کرتے جسے اصول فقہ میں مرسل صحابی کا نام دیا جاتا ہے، جیسا کہ وہ احادیث جن کو سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اور ان جیسے دوسرے کم سن صحابہ رسول اللہ ﷺ سے بیان کرتے ہیں، حالانکہ انہوں نے وہ احادیث آپ ﷺ سے نہیں سنی ہوتیں، (ہم ان کو ضعیف قرار نہیں دیتے) کیونکہ یہ موصول اور مسند حدیث کے حکم میں ہوتی ہیں، وجہ یہ ہے کہ کم سن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم (دیگر کبار) صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ہی روایت کرتے ہیں اور صحابی کا معلوم نہ ہونا

(حدیث کی صحت میں) عیب نہیں، اس لیے کہ سارے صحابہ عادل ہیں۔'' (مقدمة ابن الصلاح: ۳۱/۱)

حافظ نووی رحمہ اللہ (م ۶۷۶ھ) لکھتے ہیں: **انّ مرسل الصّحابیّ حجّة عند جمیع العلماء ...**

''بلاشبہ مرسل صحابی سب علمائے کرام کے نزدیک حجت ہے۔'' (شرح صحیح مسلم: ۱۹۷/۲)

نیز لکھتے ہیں: **انّ مرسل الصّحابیّ اذا لم یعرف المحذوف یکون حجّة ...**

''یقیناً جب محذوف راوی معلوم نہ ہو سکے تو (بھی) مرسل صحابی حجت ہوتی ہے۔''

(شرح صحیح مسلم: ۱۹۸/۱)

حافظ ابنِ حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: **انّ الجمھور جعله حجّة .** ''بے شک جمہور علمائے کرام نے اسے (مرسل صحابی کو) حجت بنایا ہے۔'' (النکت علی کتاب ابن الصلاح: ۵۸۵/۲)

معلوم ہوا کہ میرٹھی صاحب کا یہ اعتراض اصطلاحاتِ محدثین سے جہالت کا کرشمہ ہے، اوران کا یہ کہنا نہایت فضول اور بے جا ہے کہ: ''ابنِ عباس نے واقعتاً یہ بات کسی سے بھی نہیں سنی، نہ خود حضورِ اکرم ﷺ سے، نہ کسی صحابی سے، ورنہ وہ ضرور بتاتے کہ مجھے یہ بات فلاں سے معلوم ہوئی تھی۔'' (((مطالعہ)): ۱۹/۱۔۲۰)

جاھلی کلابازیاں : قارئین کرام! آیئے سب مسلمانوں کے نزدیک قابل احترام بزرگ ہستیوں کو ''عقل وفہم سے بے بہرہ'' اور ''بے وقوف'' قرار دینے والے صاحب کی اپنی عقلی کیفیت ملاحظہ فرمائیں کہ وہ خود کیسے جہالت اور بے وقوفی میں کلابازیاں کھاتے پھرتے ہیں:

آپ اعتراض نمبر ① میں میرٹھی صاحب کے یہ الفاظ پڑھ چکے ہیں کہ: ''یہ خود موسیٰ بن ابی عائشہ کا ہی طبع زاد اضافہ ہے۔۔۔'' لیکن ان کی کلابازی دیکھیں کہ اگلے ہی صفحہ پر لکھتے ہیں:

''تو کیا سعید بن جبیر نے یہ غلط بیانی کر ڈالی تھی اور یہ قصہ گھڑ لیا تھا؟ نہیں، وہ نیک و ثقہ شخص تھے، کذاب و دروغ باف نہ تھے، بات یہ ہوئی کہ کسی شخص نے حضرت ابنِ عباس کی طرف منسوب کر کے سعید بن جبیر سے یہ حدیث بیان کر دی تھی، سعید نے غور وفکر سے کام نہ لیا، اس شخص پر اعتماد کر کے حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما کی طرف منسوب کر کے یہ حدیث روایت کر ڈالی۔'' (((مطالعہ)): ۲۰/۱)

دیکھا آپ نے کہ پہلے موسیٰ بن ابی عائشہ پر الزام دھرا کہ انہوں نے اپنی طرف سے اسے گھڑا تھا، حالانکہ وہ نہایت ثقہ وعادل تابعی تھے اور ان لوگوں میں سے تھے جن کو دیکھنے سے اللہ یاد آجاتا ہے (تہذیب الکمال:) لیکن ''دروغ گورا حافظہ نہ باشد'' کا مصداق بن کر ایک ہی صفحہ بعد پینترا بدلا اور خود ساختہ

مفروضہ کے تحت کسی فرضی شخص کو موردِ الزام ٹھہرا دیا ہے۔

یہ بھی ایک الگ بحث ہے کہ خود انہی کی ذکر کردہ حدیثِ بخاری میں یہ صراحت موجود ہے کہ یہ حدیث سعید بن جبیر رحمہ اللہ نے سیدنا ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے ڈائریکٹ سنی تھی، جیسا کہ ہم اعتراض نمبر ③ کے جواب میں تفصیلاً ذکر کریں گے۔ **انشاء اللہ !**

اسی پر بس نہیں، ابھی گرگٹ کی طرح ان کا تیسرا رنگ بھی دیکھیں کہ یہاں تو سعید بن جبیر رحمہ اللہ جو جلیل القدر تابعی ہیں، ان نیک وثقہ اور جھوٹ سے مبرا قرار دے رہے ہیں، لیکن اسی کتاب میں دوسری جگہ اسی نیک وثقہ اور عظیم المرتبت امام کے بارے میں ان کے الفاظ ملاحظہ فرمائیں، لکھتے ہیں:

''سعید (بن جبیر) نے بے سوچے سمجھے اسے روایت کر دیا، کیونکہ ان راویانِ اخبار کو رسول اللہ ﷺ کے ارشاد **کفٰی بالمرء کذبا أن یحدّث بکلّ ما سمع** (آدمی کو (تباہی کے لیے) یہی جھوٹ کافی ہے کہ وہ ہر سنی سنائی بات بیان کر دے) کی پرواہ نہ تھی، بس اپنے علامہ ہونے کا ثبوت دینے کے لیے روایات بیان کرتے رہتے تھے۔'' («مطالعہ»: ۳۳۰/۲)

قارئین کرام! ایمان وانصاف سے بتائیں کہ جس شخص کو نبی کریم ﷺ کے فرامین کی پرواہ نہ ہو اور جو نبی کریم ﷺ کے احادیث اپنے علامہ ہونے کا ثبوت دینے کے لیے بیان کرتا ہو، وہ کیسا ثقہ ونیک ہے؟ یہ ہیں اس عظیم تابعی اور ثقہ امام کے بارے میں ان کے تاثرات، جن کو حافظ ذہبی جیسا ناقدِ رجال شخص بہت سے القابات سے نوازتے ہوئے لکھتا ہے: **الامام، الحافظ، المفسر، الشهید .... أحد الأعلام، روٰی عن ابن عبّاس، فأکثر وجوّد .... قرأ القرآن علی ابن عبّاس ...**

''(آپ) امام، حافظ، مفسر، شہید۔۔۔جلیل القدر علمائے اسلام میں سے ایک ہیں، سیدنا ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے آپ نے بہت زیادہ روایات کی ہیں اور بہت عمدہ کی ہیں۔۔۔انہوں نے قرآنِ کریم بھی سیدنا ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے ہی پڑھا تھا۔'' (سیر اعلام النبلاء: ۳۵۵/۷)

ہم نے مقدمہ میں ہی آپ کو بتا دیا تھا کہ یہ صاحب ایک ایک محدث کی شان میں گستاخی کر کے مسلمانوں کے جذبات سے کھیلنا اپنا فرضِ منصبی سمجھتے ہیں اور آپ ان کا یہ فعلِ شنیع ملاحظہ کرتے ہی رہیں گے۔

اعتراض نمبر ② : ''سعید بن جبیر نے بہت سی حدیثیں حضرت عبداللہ بن عباس سے براہِ راست سنی تھیں اور بہت سی حدیثیں دیگر اشخاص نے انہیں ابنِ عباس کی طرف منسوب کر کے بتائی

تھیں،سعید نے ہر دو قسم کی حدیثوں کی روایت کی ہے،مگر جب وہ پہلی قسم کی کوئی حدیث روایت کرتے جسے موصوف نے براہِ راست ابنِ عباس سے سنا ہوتا تو حدّثنی ابنُ عبّاس یا سمعتُ ابنَ عبّاس یا أخبرنی ابنُ عبّاس کہہ کر بیان کرتے تھے اور دوسری قسم کی کوئی حدیث روایت کرتے ہوئے یا تو اس شخص کا نام بتاتے،مثلاً حدّثنی عکرمة عن ابن عبّاس یا حدّثنی مجاهد عن ابن عبّاس یا اس شخص کا نام ذکر نہ کرتے،بس عن ابن عبّاس کہہ دیتے،یہ حدیث بھی اسی قسم کی ہے،اس کے کسی بھی طریق میں سعید بن جبیر سے کوئی ایسا لفظ مروی نہیں جس سے ثابت ہو کہ سعید نے یہ قصہ براہِ راست حضرت ابنِ عباس سے سنا تھا،ہر طریق کی اسناد میں سعید بن جبیر عن ابن عبّاس ہے۔۔۔لیکن کسی بھی روایت میں یہ مذکور نہیں کہ سعید نے حدّثنی یا أخبرنی یا سمعت یا أنبأنی ابن عبّاس کہا ہو،ہر طریق کی اسناد میں ہمیں عن ابن عباس ملتا ہے۔'' («مطالعہ» : ۲۰/۱۔۲۱)

جواب : ① آیئے ! اگر منکرین حدیث کو سعید بن جبیر رحمہ اللہ کے ''یہ قصہ براہِ راست'' سیدنا ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے سننے پر دلالت کرنے والا کوئی لفظ ''کسی طریق'' میں نظر نہیں آیا تو ہم دکھلا دیتے ہیں،وہ ذرا اپنی آنکھوں سے انکارِ حدیث کی عینک اتار دیں اور میرٹھی صاحب کی ہی کتاب کھول کر صفحہ نمبر ۱۷ نکالیں اور ان ہی کی ذکر کردہ حدیث پڑھ لیں،انہی کے ذکر کردہ ''طریق'' میں یہ الفاظ موجود ہیں:

وقال سعید : أنا أحرّکهما لک کما رأیت ابن عبّاس یحرّکهما ...

''سعید بن جبیر رحمہ اللہ نے (اپنے شاگرد موسیٰ بن ابی عائشہ رحمہ اللہ سے) فرمایا، میں اسی طرح اپنے دونوں ہونٹوں کو حرکت دے رہا ہوں،جس طرح میں نے سیدنا ابنِ عباس رضی اللہ عنہما کو حرکت کرتے ہوئے دیکھا تھا۔'' مزے کی بات یہ ہے کہ خود میرٹھی صاحب یہی بات صفحہ نمبر ۱۸ پر ذکر کر چکے ہیں۔

پھر مسند احمد میں سعید بن جبیر رحمہ اللہ کے یہ الفاظ بھی موجود ہیں: فقال لی ابن عبّاس ...

''سیدنا ابنِ عباس رضی اللہ عنہما نے مجھے فرمایا۔۔۔'' (مسند الامام احمد : ۳۴۳/۱، وسندہٗ صحیحٌ)

کیا اب بھی یہ واضح نہیں ہوا کہ اس حدیث کو سعید بن جبیر رحمہ اللہ نے براہِ راست سیدنا ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے سنا تھا،درمیان میں کوئی واسطہ نہ تھا؟

② کوئی ہمیں بھی بتائے کہ میرٹھی صاحب کو کس ''وحی'' کے ذریعے یہ معلوم ہوا ہے کہ سعید بن

جبیر رحمہ اللہ کبھی واسطہ گرا کر استاذ کا نام لیے بغیر سیدنا ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے بیان کر دیتے تھے، حالانکہ انہوں نے وہ احادیث سیدنا ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے سنی نہیں ہوتی تھیں، کسی محدث نے کہیں ایسا ذکر کیا ہو؟ اگر ایسا ہوتا تو بلاشبہ محدثین کو اس کا علم ہوتا، منکرینِ حدیث کو بھلا حدیث اور راویانِ حدیث کی کیا معرفت؟

③ ہاں! اسے شیطانی وحی یقیناً قرار دیا جا سکتا ہے، وہ کیسے؟ اس لیے کہ جھوٹ شیطان ہی کا شیوہ ہے، عکرمہ اور مجاہد رحمہما اللہ کو امام سعید بن جبیر رحمہ اللہ کا استاذ قرار دینا کائنات کا بدترین جھوٹ ہے، بلکہ امام مجاہد رحمہ اللہ تو ساتھی ہونے کے ساتھ ساتھ سعید بن جبیر رحمہ اللہ کے شاگرد بھی ہیں، پھر یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ سعید بن جبیر رحمہ اللہ **حدّثنی مجاهد عن ابن عبّاس** کہیں؟

سننِ ابی داؤد (۲۴۳۸) اور دیگر کتبِ حدیث میں مجاہد رحمہ اللہ تو سعید بن جبیر رحمہ اللہ سے حدیث بیان کر رہے ہیں، لیکن کسی حدیث میں امام سعید بن جبیر رحمہ اللہ مجاہد رحمہ اللہ یا عکرمہ رحمہ اللہ سے بیان نہیں کر رہے، نیز کسی محدث نے عکرمہ اور مجاہد رحمہما اللہ کو سعید بن جبیر کے اساتذہ میں ذکر نہیں کیا، اس کے برعکس مجاہد رحمہ اللہ کے اساتذہ میں امام سعید بن جبیر رحمہ اللہ کو امام سعید بن جبیر رحمہ اللہ کے شاگردوں میں مجاہد رحمہ اللہ کو ذکر کیا گیا ہے، اگر صرف حافظ مزی رحمہ اللہ کی کتاب **تهذيب الكمال** کو ہی دیکھ لیا جاتا تو استاذوں، شاگردوں کا پتا چل جاتا اور اتنی بڑی جہالت و حماقت سے واسطہ نہ پڑتا، مگر صحیح بخاری سے نفرت نے ان کو اندھا کر دیا ہے، سوچنے سمجھنے کی کوشش ہی نہیں کرتے!!!

③ **حدّثنی یا سمعت یا أخبرنی** کے الفاظ کی شرط صرف ''مدلّس'' راویوں کے لیے لگائی جاتی ہے کہ جب تک وہ ان الفاظ کے ساتھ حدیث بیان نہ کریں، ان کی حدیث قبول نہیں ہوتی۔

حافظ ابنِ حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں: **فحكم من ذكر من رجاله بتدليس أو ارسال أن تسبر أحاديثهم الموجودة عنده بالعنعنة ، فان وجد التصريح بالسّماع فيها اندفع الاعتراض وإلّا فلا .**

''پس حدیث کے جو راوی تدلیس یا ارسالِ (کثیر) کے ساتھ موصوف ہوں، ان (کی احادیث) کا حکم یہ ہے کہ جو احادیث ''عن'' کے ساتھ ہوں، ان کو پرکھا جائے، اگر ان میں سماع کی تصریح مل جائے تو اعتراض ختم ہو جائے گا، ورنہ نہیں۔'' (هدية السارى مقدمه فتح البارى : ۳۸۲)

جب کہ امام سعید بن جبیر رحمہ اللہ قطعاً ''تدلیس'' یا ''ارسالِ کثیر'' کے مرتکب نہ تھے، لیکن نہ جانے ان نام نہاد سکالرز نے کون سی کتاب میں پڑھ لیا ہے کہ ہر راوی سے سماع کی تصریح کا مطالبہ کیا جائے اور کہا جائے کہ

اس نے کہیں بھی حدّثني یا سمعت یا أخبرني نہیں کہا؟

کوئی میرٹھی ہمیں بتائے کہ ان کے اس اصول کے مطابق کتنی احادیث بچیں گی، جن میں پوری سند سماع کی تصریح پر مشتمل ہے؟ یہ محض حدیث ومحدثین دشمنی کا شاخسانہ ہے۔

اعتراض نمبر ③ : ''علاوہ بریں یہ حقیقت ہے کہ سعید بن جبیر کی بہ نسبت عکرمہ اور مجاہد حضرت عبداللہ بن عباس سے زیادہ مستفید ہوئے ہیں اور ان کے ملازمِ صحبت رہے ہیں اور بھی بہت سے بندگانِ خدا نے ابنِ عباس سے حدیثیں اور آیاتِ قرآن کی تفسیریں سنی ہیں، لیکن سعید بن جبیر اس حدیث کی روایت میں متفرد ہیں، ان کے علاوہ کسی نے بھی ابنِ عباس سے اس قصہ کی روایت نہیں کی، اس لیے میں سمجھتا ہوں کہ حضرت ابنِ عباس نے یہ قصہ بیان نہیں کیا تھا، کسی نے خوامخواہ اسے ابنِ عباس کی طرف منسوب کر کے سعید بن جبیر سے بیان کر دیا تھا اور سعید نے اس پر اعتماد کر کے اس کا نام بھی ذکر نہیں کیا اور بس ابنِ عباس کی طرف منسوب کر کے اس کی روایت کر دی۔'' («مطالعہ» : ۲۷/۱)

جواب : ① قارئین کرام! انصاف سے بتائیں کہ اگر ایک استاذ سے کئی شاگرد پڑھتے ہوں تو کیا سب شاگرد ایک ہی جیسا علم حاصل کرتے ہیں، خصوصاً جبکہ موجودہ کلاس سسٹم نہ ہو، موجودہ نظام میں بھی سب شاگرد استاذ سے یکساں استفادہ نہیں کرتے، چہ جائیکہ اس دور میں جب ہر کوئی اپنے طور پر کسی استاذ سے علم حاصل کرتا تھا، واضح بات ہے کہ یہ اعتراض انتہائی فضول ہے۔

کیا سب احادیث سب صحابہ نے بیان کی ہیں، اب صحیح بخاری کی پہلی حدیث کو ہی لیں، جسے میرٹھی صاحب یقیناً صحیح سمجھتے ہیں، کیونکہ انہوں نے اسے چھیڑا تک نہیں، بلکہ پانچویں حدیث پر اعتراض کیا ہے۔

یہ حدیث صحابہ کرام میں سے صرف سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے بیان کی ہے، کیا اس شخص کی بات درست ہوگی جو میرٹھی صاحب کی طرح یہ راگ الاپنے لگے کہ:

''یہ حقیقت ہے کہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی نسبت سیدنا ابو ہریرہ، سیدنا ابنِ عمر، سیدنا ابنِ عباس، سیدہ عائشہ ۔۔۔ رضی اللہ عنہم اجمعین رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ مستفید ہوئے ہیں اور ان کے ملازمِ صحبت رہے ہیں اور بھی بہت سے صحابہ کرام نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیثیں سنی ہیں، لیکن عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اس کی حدیث کی روایت میں متفرد ہیں، ان کے علاوہ کسی صحابی نے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس حدیث کی روایت نہیں کی، اس لیے میں

سمجھتا ہوں کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ حدیث بیان نہیں کی۔۔۔''

④ حدیث کو پرکھنے کے لیے اصول محدثین کے ہی لاگو ہوں گے، محدثین میں سے کسی نے اس وجہ سے اس حدیث کو رد نہیں کیا، انکارِ حدیث کے علمبرداروں کو یہ حق کس نے دیا ہے؟ خود لکھتے ہیں:

''محدثین کی اصطلاح میں صحیح حدیث وہ ہے جس کی اسناد متصل ہو اور راوی سب کے سب ثقہ وضابط ہوں اور اس کی اسناد یا متن میں نہ کوئی شذوذ ہو، نہ کوئی علت ہو۔'' (((مطالعہ)) : ۲۲/۱)

یہ تعریف خود میرٹھی صاحب نے ذکر کی ہے، اب قارئین ہی بتائیں کہ کیا اس میں یہ شرط موجود ہے کہ راوی کے دوسرے سب ساتھی بھی وہی حدیث بیان کریں تو تسلیم ہوگی؟

اعتراض نمبر ④ : ''یہ تو اس میں اسناد کے لحاظ سے خامی ہے کہ اس کی اسناد متصل نہیں، بلکہ فی الواقع منقطع ہے، رہا اس کا متن تو اس میں دو زبردست خرابیاں ہیں، اوّل یہ کہ اس کی رُو سے ضمیر غائب جو ان آیات میں سات بار آئی ہے **لا تحرّک به لسانک لتعجل به ☆ انّ علینا جمعه وقرآنه ☆ فاذا قرأناه فاتّبعه قرآنه ☆ ثمّ انّ علینا جمعه وقرآنه ☆** قرآن کی طرف راجع ہے، حالانکہ سابقہ آیات میں قرآن کا کوئی ذکر نہیں ہے کہ اس کی طرف ان ضمیروں کا راجع ہونا درست ہو، قرآن کی طرف یہ ضمیریں راجع ماننے کے لیے کوئی قرینہ چاہیے، لفظی ہو یا معنوی اور یہاں کوئی قرینہ نہیں ہے۔'' (((صحیح بخاری کا مطالعہ)) : ۲۷/۱-۲۲)

جواب : قارئین کرام! صحیح بخاری کی حدیث میں اسناد کے لحاظ سے جو ''خامیاں'' انہوں نے بیان کی تھیں، ان کا تجزیہ ہم نے آپ کے سامنے رکھ دیا ہے، فیصلہ آپ پر ہے، آیئے اب ان کی طرف سے متن میں بیان کی گئی پہلی ''خرابی'' کا جائزہ لیتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ یہ منکرین حدیث کی عقل کی خرابی ہے یا (معاذ اللہ) حدیث کے متن کی۔

① جب ہم نے میرٹھی صاحب کی طرف سے کئے گئے اعتراض رفع کر کے اس کی سند کو بالکل صحیح ثابت کر دیا ہے تو ضمیر کے غلط لوٹنے کا اعتراض ہم پر نہیں بلکہ رسول اللہ ﷺ پر ہے، کوئی مسلمان یہ جرأت نہیں کر سکتا کہ آپ ﷺ کی بات باسندِ صحیح پہنچ جانے کے بعد ایسے اشکال پیش کرے۔

② آج تک کے تمام مسلمان مفسرین سورۃ القیامہ کی تفسیر میں اس حدیث کو ذکر کرتے رہے ہیں، اگر میرٹھی صاحب کے ذہن میں آنے والا اشکال کوئی علمی حیثیت رکھتا ہوتا تو صحابہ، تابعین، تبع تابعین

اور ائمہ دین ومحدثین کو ضرور معلوم ہوتا، وہ تو سب اس ضمیر کا مرجع قرآنِ کریم ہونا ثابت کرتے رہے ہیں، اگر یقین نہ آئے تو تفاسیر کا مطالعہ کرکے دیکھ لیں۔

درحقیقت یہ لوگ اس کاوش کے درپردہ سب اسلافِ امت کی کردارکشی چاہتے ہیں، جیسا کہ وہ صریح طور پر بھی ان کو ''عقل وفہم سے بے بہرہ'' کہہ کر اس کا اظہار کرتے رہتے ہیں۔

③ رہا قرینہ کا سوال تو علامہ آلوسی لکھتے ہیں: **والضّمير للقرآن لدلالة سياق الآية نحو ﴿ اِنَّا أَنْزَلْنَاهُ فِیْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ ﴾** ''یہ ضمیر قرآنِ کریم کی طرف لوٹ رہی ہے، کیونکہ آیت کا سیاق اس پر دلالت کر رہا ہے، جیسا کہ سورۃ القدر کی پہلی آیت میں بھی یہی ضمیر ہے۔۔۔'' (تفسير روح المعانی)

علامہ ابنِ جزی لکھتے ہیں: **الضّمير فی به يعود علی القرآن دلّت علی ذلک قرينة الحال ...** ''بہ میں ضمیر قرآنِ مجید کی طرف لوٹتی ہے، قرینۂ حال اس پر دلالت کرتا ہے۔'' (تفسير الكلبی)

یعنی آپ ﷺ اس وقت وحی کو جلدی جلدی پڑھ رہے تھے، اسی حالت میں یہ فرمانِ باری تعالیٰ نازل ہو گیا، آپ ﷺ کو تو معلوم ہو گیا کہ ان آیات میں ضمیر کس طرف لوٹ رہی ہے، پھر آپ ﷺ نے اپنے صحابہ کو بھی حدیث کے ذریعے بتا دیا کہ کہیں اس کے بارے میں جھنجھلاہٹ کا شکار نہ ہوں۔

اس کی مثال یوں سمجھیں کہ کوئی خطیب تقریر کر رہا ہو اور دورانِ تقریر ہی وہ کسی کتاب کی طرف اشارہ کر کے کہہ دے کہ ''یہ مجھے دو۔'' اب سامنے بیٹھنے والوں کو تو اس بات کی سمجھ آجائے گی اور ''یہ'' والی ضمیر کا مرجع بھی معلوم ہو جائے گا، لیکن بعد میں کوئی آدمی اس تقریر کی آڈیو ریکارڈنگ سن رہا ہو تو جب تک اسے صورتِ حال بتا نہ دی جائے، سمجھ نہ پائے گا کہ اس ضمیر کا مرجع کیا ہے، بلکہ اپنے ذہن کے مطابق کبھی کچھ سوچے گا اور کبھی کچھ، اسی صورتِ حال سے بچنے کے لیے ان آیات کا سببِ نزول رسول اللہ ﷺ نے بیان فرما دیا تھا، لیکن یہ وضاحت (حدیث) منکرینِ حدیث کو بھاتی نہیں اور وہ اعتراض کرتے رہتے ہیں۔

④ اگر میرٹھی کمپنی کی سمجھ میں اب بھی بات نہیں آئی تو سورۃ القدر کی پہلی آیت:

﴿ اِنَّا أَنْزَلْنَاهُ فِیْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ ﴾ ''ہم نے اس (قرآن) کو لیلۃ القدر میں نازل کیا۔''

میں ضمیر کا مرجع بتائیں، پیچھے قرآنِ مجید کا ذکر نہیں ہے، بلکہ سورت شروع ہی ہو رہی ہے، جس طرح وہ اس آیت میں ضمیر کا مرجع قرآنِ کریم ثابت کریں گے، اسی طرح ہم اس آیت میں ثابت کر دیں گے۔

اعتراض نمبر ۵ : ’’دوم یہ کہ **لا تحرّک به لسانک لتعجل به** کو اس معنیٰ ومطلب پر حمل کیا جائے جو اس حدیث میں مذکور ہے تو اسے پچھلی اور بعد کی آیتوں سے کوئی ربط نہیں رہتا اور قرآن تو بہت بڑی چیز ہے، ایسی بے ربطی تو کسی عقلمند انسان کے کلام میں بھی نہیں ہوسکتی۔۔۔

لہٰذا اصولِ حدیث کی رُو سے یہ حدیث صحیح نہیں ہے، اگرچہ امام بخاری اور امام مسلم نے اس کی تخریج فرمائی ہے۔‘‘ («مطالعہ» : ۲۲/۱)

جواب : ہم نے میرٹھی صاحب کو ایسے ہی رافضی قرار نہیں دے دیا، بلکہ دلائل وشواہد کی روشنی میں یہ فیصلہ کیا ہے، ان کا یہ اعتراض بھی رافضیت کا پروردہ ہے، ہم ہی نہیں کہتے، تقریباً آٹھ سو سال پہلے علامہ رازی (م۶۰۶ھ) لکھ گئے ہیں: **زعم قدماء الرّوافض أنّ هذا القرآن قد غيّر وبدّل وزيد فيه ونقص عنه ، واحتجّوا عليه بأنّه لا مناسبة بين هذه الآية وبين ما قبلها ، ولو كان هذا التّرتيب من اللّٰه تعالىٰ لما كان الأمر كذلك ...**

’’قدیم رافضیوں نے دعویٰ کیا تھا کہ قرآنِ کریم (نعوذ باللہ!) تغیر وتبدل اور کمی وبیشی کا شکار ہوگیا ہے، اس پر دلیل انہوں نے یہی پیش کی ہے کہ اس آیت اور پہلی آیات میں کوئی ربط نہیں ہے، اگر یہ ترتیب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتی تو ایسا نہ ہوتا۔۔۔‘‘ (التفسير الكبير للرازي : ۱۹۷/۱٦)

صاحبِ تفسیر اللباب لکھتے ہیں: **قال بعض الرّافضة عدم مناسبتها لما قبلها يدلّ على تغيير القرآن ..** ’’بعض رافضی لوگوں نے کہا ہے کہ ان آیات کا پہلی آیات سے ربط نہیں ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن میں تغیر وتبدل ہو چکا ہے۔‘‘ (تفسير اللباب : ۱۰۲/۱٦)

پھر انہوں نے کئی طرح سے ثابت کیا ہے کہ یہ آیات اس حدیث میں موجود تفسیر کے مطابق بے ربط نہیں ہیں، بلکہ ان میں کمال درجہ کا ربط ہے، مثلاً علامہ رازی لکھتے ہیں: **وهذا كما أنّ المدرّس اذا كان يلقى على تلميذه شيئا ، فأخذ التّلميذ يلتفت يميناً وشمالاً ، فيقول المدرّس فى أثناء ذلك الدّرس : لا تلتفت يميناً وشمالاً ، ثمّ يعود الى الدّرس ، فاذا نقل ذلك الدّرس مع هذا الكلام فى أثنائه ، فمن لم يعرف السبب يقول : انّ وقوع تلك الكلمة فى أثناء ذلك الدّرس غير مناسب ، لكن من عرف الواقعة علم من أنّه حسن التّرتيب ...**

’’یہ اسی طرح ہے کہ استاذ اپنے شاگرد کو کچھ سمجھا رہا ہو، لیکن شاگرد دائیں بائیں جھانکنے لگے، استاذ

دورانِ سبق ہی کہہ دے کہ   دائیں بائیں مت جھانکو! جب یہ الفاظ بھی سبق کے ساتھ نقل (ریکارڈ) ہو جائیں تو جس آدمی کو سبب کا علم نہ ہوگا، وہ کہے گا کہ اس سبق کے درمیان یہ الفاظ بے ربط ہیں، لیکن جس کو واقعہ کا علم ہوگا، اسے معلوم ہوجائے گا کہ یہ (بے ربطی نہیں، بلکہ) حسن ترتیب ہے۔۔۔'' (تفسیر الرازی: ۱۶/۱۰۲)

اور بھی بہت سے ربط بیان کیے گئے ہیں، تفصیل کے لیے کتبِ تفسیر کی طرف مراجعت فرمائیں!

نکتۂ لطیفہ : ایک نکتہ یہ بھی یادر ہے کہ رافضیوں کو قرآنِ کریم میں بے ربطی اسی لیے نظر آئی کہ وہ اس کی تفسیر حدیث سے نہیں کرتے تھے، اگر اس حدیث کو مانتے تو یقیناً بات ان کی سمجھ میں آجاتی اور وہ انکارِ قرآن سے بچ جاتے، معلوم ہوا کہ انکارِ حدیث انکارِ قرآن ہے، جو آج بھی ہورہا ہے۔

تنبیہ : اعتراضات سے فارغ ہوکر میرٹھی صاحب نے انکارِ حدیث کی روشنی میں سورۃ القیامہ کی ان آیات کی ''تفسیر'' کی ہے، جو کہ بالکل باطل اور بودی ہے، لیکن ہم ابھی اس سے کوئی تعرض نہیں کریں گے، کیونکہ جب بفضل اللہ ہم نے صحیح بخاری کی اس حدیث پر وارد کیے گئے ان کے تمام اعتراضات کے کافی وشافی جوابات دے دیئے ہیں تو ان کی ''تفسیر'' خود بخود ہی مردود ہوجائے گی، دوسری بات یہ ہے کہ وہ ہمارے موضوع، یعنی صحیح بخاری سے متعلق نہیں، تیسری بات یہ ہے کہ ابھی تک ان کی تفسیر نایاب ہے، امید ہے کہ عنقریب وہ منظرِ عام پر آجائے گی، اللہ تعالیٰ نے موقع دیا تو ہم ان کی اس کتاب ''مفتاح القرآن'' کا ایک مستقل جواب لکھیں گے۔   **انشاء اللّٰہ !**

الوداع

غلام مصطفیٰ ظہیر امن پوری، حافظ ابویحییٰ نورپوری

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ موسیٰ بن وردان سے فرماتے ہیں: **ألا أعلّمک یا ابن أخی شیئا علّمنیه رسول اللّٰه صلّی اللّٰه علیه وسلّم أقوله عند الوداع ؟ قلت بلیٰ ، قال : قل : أستودعکم اللّٰه الّذی لا تضیع ودائعه .** ''اے بھتیجے! کیا میں تمہیں وہ دعا نہ سکھاؤں جو مجھے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے سکھائی تھی کہ میں (کسی کو) الوداع کرتے وقت کہوں؟ (موسیٰ بن وردان کہتے ہیں) میں نے عرض کی، جی ضرور، آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا، تو کہا کر : **أَسْتَوْدِعُکُمُ اللّٰہَ الَّذِیْ لَا تَضِیْعُ وَدَائِعُہٗ .** ''میں تمہیں اس اللہ کے حوالے کرتا ہوں، جس کی امانتیں ضائع نہیں ہوتیں۔'' (مسند الامام احمد: ۲/۴۰۳، عمل الیوم واللیلۃ لابن السنّی: ۵۰۴، واللفظ له، وسندهٗ حسنٌ)

کوئی صحیح حدیث قرآن کے مخالف نہیں

غلام مصطفیٰ ظہیر امن پوری

امام الآجری رحمہ اللہ (م ۳۶۰ھ) فرماتے ہیں: فكلّ من ردّ سنن رسول الله صلّى الله عليه وسلّم وسنن أصحابه ، فهو ممّن شاقق الرّسول وعصاه ، وعصى الله عزّ وجلّ بتركه قبول السّنن ، ولو عقل هذا الملحد وأنصف من نفسه ، علم أنّ أحكام الله عزّ وجلّ وجميع ما تعبد به خلقه ، انّما تؤخذ من الكتاب والسّنّة ، وقد أمر الله عزّ وجلّ نبيّه صلّى الله عليه وسلّم أن يبيّن لخلقه ما أنزله عليه ممّا تعبّدهم به ، فقال جلّ ذكره : ﴿وَأَنْزَلْنَا اِلَيْکَ الذِّکْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ﴾ (النحل : ٤٤)، فقد بيّن لأمّته جميع ما فرض عليهم من جميع الأحكام وبيّن لهم أمر الدّنيا وأمر الآخرة وجميع ما ينبغي أن يؤمنوا به ، ولم يدعهم جهلة لا يعلمون ، حتى أعلمهم أمر الموت والقبر ، وما يلقى فيه المؤمن ، وما يلقى فيه الكافر ، وأمر الحشر والوقوف ، وأمر الجنّة والنّار ، حالاً بعد حال ، يعرفه أهل الحقّ ... ''جو شخص بھی رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہ کی سنت کو ٹھکرائے گا، وہ ان لوگوں میں سے ہوگا جو رسول اللہ ﷺ کے مخالف اور نافرمان ہیں، نیز وہ سنتوں کو چھوڑنے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کا بھی نافرمان ہوگیا ہے، اگر یہ بے دین شخص عقل کرے اور خود انصاف کرے تو اسے معلوم ہوجائے گا کہ اللہ تعالیٰ کے تمام احکام اور مخلوق جو اس کی عبادات بجالاتی ہے، اس کے تمام طریقے کتاب وسنت سے ہی اخذ کیے جاتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو حکم بھی فرمایا ہے کہ وہ اس کی مخلوق کے لیے اس کے نازل کردہ تعبدی فرامین کی توضیح کریں، چنانچہ فرمایا: ﴿وَأَنْزَلْنَا اِلَيْکَ الذِّکْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ﴾ (النحل : ٤٤) (اور ہم نے آپ کی طرف ذکر اس لیے نازل کیا ہے کہ آپ لوگوں کے لیے ان کی طرف نازل کردہ وحی کی وضاحت کریں اور تاکہ وہ غور وفکر کریں)، لہٰذا رسول اللہ ﷺ نے اپنی امت کے لیے تمام وہ احکام بیان کردیئے ہیں جو ان پر مقرر کیے گئے ہیں، نیز ان کے لیے دنیا وآخرت کا معاملہ بیان کردیا ہے اور تمام وہ چیزیں بھی جن پر ایمان لانا ضروری ہے، ان کو بے علم جاہل نہیں چھوڑا، یہاں تک کہ ان کو موت اور قبر کے حالات کی بھی خبر دی ہے، مؤمن وکافر کے انجام، حشر ووقوف (روزِ قیامت حساب کے لیے اجتماع اور قیام) اور جنت وجہنم کے لمحہ بہ لمحہ حالات بھی بیان کردیئے ہیں، جن کو اہل حق جانتے ہیں۔'' (الشريعة للآجری : ۳۵۰۔۳۵۱)

❀❀❀❀❀❀❀